معجزاتِ موسیٰؑ

ڈاکٹر قمر زمان

(حقیقتِ معجزات حصہ دوم)

یہ کتاب آپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کی جارہی ہے

* * *

سلسلہ دعوت قرآنی کی شائع کردہ کتب اب انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔
جہاں پر آپ ان کتب پر تبصرے اور سوالات بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔
http://www.aastana.com

فہرست مضامین

ابتدائیہ	3
مذہب کی حقیقت	6
مذہب میں دیومالائیت کی ضرورت	9
عقیدہ معجزات کے اثرات	11
مقصد نزول قرآن	15
قرآن میں قصص الرسل کا مقصد؟	20
قصہ موسیٰ کا عمومی تصور	23
معجزات کے حوالے سے عمومی سوالات	26
قصّہ موسیٰ۔۔۔ عقلی توجیہات	28
حقیقت سحر (جادو)	34
قتل اولاد	42
عصاء موسیٰ	51
کیا معجزات دو تھے؟	54
ید بیضاء	66
آگ	68
مزید دلائل	73

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037، لاہور، پاکستان

Phone : +92 331 4851185

ابتدائیہ

قصص الرسل اور خاص طور پر سیدنا موسیٰ کے قصے کو سمجھنے کے لئے ایک اساسی اصول کو ہمیشہ مد نظر رکھنا پڑے گا اور وہ ہے ''مقصد نزول قرآن اور مقصد رسالت'' یعنی دیکھنا ہو گا کہ قرآن کس مقصد کے لئے بھیجا گیا اور رسولوں کے آنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر تو عمومی عقیدہ دیکھا جائے تو قرآن کا مقصد صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور اگر یہ تمام اعمال ایک میکانکی انداز سے بغیر سوچے سمجھے کرتے چلے جانا ہے تو پھر قصص الرسل میں وہی کچھ ہونا چاہیے جو آج اسلاف کی دی ہوئی تفاسیر کی زینت ہے۔ بلکہ چاشنی کے لئے اور بھی بہت کچھ دیو مالائی عنصر ہونا چاہیے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہر نئی تفسیر میں کچھ نہ کچھ اضافے نظر آتے ہیں۔

لیکن اگر مقصد نزول قرآن ایک آزاد مثالی اور فلاحی معاشرے کا قیام ہے اور جس کے لئے رسولوں نے اپنے اپنے وقت کے فرعونوں سے ٹکر لی، تو آپ کو ان قصص میں کردار کی پختگی، اعمال کی درستگی اور وقت کے فرعونوں کے خلاف کلمہ حق یعنی حقوق کی بازیابی کے لئے تصادم اور ٹکراؤ کی داستان ملے گی۔ یہ ایک ایسے عمل کی داستان ہو گی جہاں حزب اللہ حزب الشیطان سے ٹکرائے گا۔ جہاں زور بازو پر انحصار کیا جائے گا، جہاں نظریاتی بنیادوں پر انسانوں کی تیاری نظر آئے گی اور جہاں دیو ملائی کہانیاں نہیں ملیں گی بلکہ ایک حقیقت آشنا نصیحت اور رسولوں کا نمونہ ملے گا جو شیخ چلیوں کو ان کے حجروں سے نکال کر میدان عمل میں لائے گا۔ جہاں غیر مرئی حادثات رونما نہیں ہونگے، جہاں معجزات پر انحصار نہیں ہو گا بلکہ حقائق پر مبنی باطل کی سرکوبی کے لئے ان سرفروشوں کی داستان ملے گی جو اپنے وقت کے رسول کی قیادت میں فرعون سے ٹکرانے میں ذرا بھی تامل نہیں کریں گے۔

سیدنا موسیٰ کی جدوجہد آزادی میں احکامات الٰہی کی قوت کا ایک ایسا عصائی نظام نظر آئے گا جس کی ضرب سے فرعون جیسے جابر و ظالم حکمران اور ھامان جیسے مذہبی پیشواء کے پاؤں نہ

صرف اکھاڑ دیئے گئے بلکہ انہیں ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا گیا اور قارون جیسے سرمایہ دار کو خود اپنی شان وشوکت کی دلدل میں دھنسا دیا گیا۔

قصص الانبیاء کے حوالے سے ایک گذارش کرنی ہے کہ آج غیر مسلم کے لئے یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ قرآن میں بھی وہی قصے بیان ہوئے ہیں جو کہ بائبل میں موجود ہیں کیونکہ ہمارے مفسرین نے واقعی بائبل کے قصص الرسل کو بالکل جوں کا توں بیان کر دیا ہے۔ بنیادی طور پر ہم نے قرآن پر خود کوئی محنت نہیں کی بلکہ ان قدیم یہودی قصوں کو ہی قرآنی تقاسیر کی زینت بنا دیا جو یہودی مذہب میں موجود ہیں۔ جدید مسلم علماء بھی بڑے زور شور سے انہی یہودی کہانیوں کو سینے سے لگا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں یعنی جو کسر باقی رہ گئی تھی وہ آج علماء کے ہاتھوں پوری ہو رہی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلا سوال تو یہی اٹھے گا کہ اگر قرآن میں وہی قصے موجود ہیں جو بائبل کی زینت ہیں تو ایک نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قصص الانبیاء و الرسل جو بائبل میں موجود ہیں قرآن کے قصص سے بالکل مختلف ہیں۔ قرآن کا اعلان ہے

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

یقیناً قرآن بنی اسرائیل پر وہ قصّے بیان کرتا ہے جن میں انہوں نے کثرت سے اختلاف کیا ہے۔

یعنی قرآن نے بائبل کے ان قصوں کے اختلافات کو دور کیا ہے جن میں انہوں نے کثرت سے اختلاف کیا۔ جبکہ ہمارے مفسرین نے بائبل کے قصص کو قرآن کا منہ دے دیا جس کی وجہ سے ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ قرآن میں بھی وہی قصے نظر آرہے ہیں جو بائبل میں ہیں نام بھی وہی

ہیں اور واقعات بھی وہی ہیں۔ مگر قرآن کے اعلان کے مطابق قرآن میں یہ قصے مختلف ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ہمیں قرآن میں اس فرق کو ڈھونڈنا ہے۔

دیکھئے کسی بھی قصے کو جب بیان کیا جاتا ہے تو اس کے بیان کرنے کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس سے معلوم ہو گا کہ اس قصے سے کیا حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس سے کیا نصیحت مل سکتی ہے؟ اگر مقصد معلوم ہو جائے تو قصے کے فہم کا انداز بدل جاتا ہے، زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔

یاد رکھئے قرآن ان تمام واقعات کی وجہ بیان کرتا ہے اور اس میں جو نصیحت اور نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کو یاد کراتا ہے۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے کہ وہ موسیٰ اور فرعون، ابراہیم اور نمرود اور عاد اور ثمود کی داستان یا چپقلش بیان کرے، نہ ہی قرآن کوئی رومانوی داستانوں کی کتاب ہے کہ سلیمان وسبا یا یوسف وزلیخا کی عشقیہ داستان بیان کرے۔ قرآن انسانی استحصال کو ختم کرنے اور انسانی حقوق کے حصول کی کتاب ہے۔ لیکن مسلمانوں نے بائبل کے انہی قصوں کو دہرانے پر اکتفا کیا ہے۔ اوران قصص کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی جس کی وجہ سے ایک غیر مسلم نقاد یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ قرآن دوسری کتابوں کا چربہ ہے۔

ہمارے جدید علماء بھی اپنے آپ کو تورات کا طالبعلم کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ ایک فیشن بھی بن گیا ہے۔ تورات کا طالبعلم ہونے میں کوئی برائی نہیں بشرطیکہ آپ کی نظر تحقیقی وتنقیدی ہو۔ اب تو خود حاملین تورات بھی تورات کے ان قصوں پر تنقید کر رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے علماء ان قصوں میں مزید چاشنی ڈالنے میں لگے ہوئے ہیں اور افسوس کہ قرآن کی حقانیت تک کو ثابت کرنے کے لئے تورات کے حوالے دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

مذہب کی حقیقت

مذہب کی سب سے بڑی خصوصیت اور حقیقت تو یہ ہے کہ مذہب میں تحقیق نہیں بلکہ تقلید ہوتی ہیں اور وہ بھی اندھی۔ مذہب میں مقلد کو عقل سے عاری رکھا جاتا ہے اس لئے وہ سوچ سمجھ کر قدم نہیں اٹھا سکتا۔ بس بھیڑوں کی طرح کسی کے پیچھے لگا ہوتا ہے۔ دیکھیئے۔۔۔۔ مذہب خواہ کوئی ہو اصلاً چند ناموں کے گرد گھومتا ہے جسکو قرآن نے

أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ

چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے پیشواؤں نے گھڑ لئے ہیں

(سورۃ المومن آیت نمبر 12)

کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ یہی وہ نام ہیں جنکو الٰہی صفات اور احکامات کا درجہ دیا جاتا ہے جیسے جیسے مذہب قدیم ہوتا جاتا ہے یہی نام ہستیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس طبقے کے وارے نیارے ہوتے ہیں جو ان کا ٹھیکیدار بن جاتا ہے۔

مذہب کا اگلا قدم خالق کائنات کو بادشاہ بنانا ہے۔ آپ ایک بادشاہ کا جو کردار گھڑ سکتے ہیں اور وہ صفات جو ایک بادشاہ میں دیکھتے ہیں خالق کائنات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

تیسرے درجے میں اس بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اسکی تعریف و توصیف میں گن گائے جاتے ہیں اور ایسی حرکات وجود میں آتی ہیں جو ایک بادشاہ کو خوش کر سکتی ہیں۔ جس طرح بادشاہ اگر ناراض ہو جائے تو اس کے غضب سے بچنے کے لئے کچھ تحائف لے دے کر کام چلایا جاسکتا ہے۔ اور اگر لوگوں کے حقوق مارے ہیں تو کچھ فیصد حرام کی کمائی بادشاہ کو دیکر راضی کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے لئے کچھ پن دان اور زکواہ دی جاتی ہے۔

اسی طرح سے خود ساختہ طریقوں کو ایجاد کر کے سمجھا جاتا ہے کہ اس سے خالق راضی ہو جائیگا مال کو پاک کرنے کے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں۔ یعنی کالے دھندے سے کی ہوئی کمائی

کو جائز بنایا جاتا ہے۔ اگر پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا ہے تو اپنے آپ کو ایزا دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہوا جاتا ہے۔ کہ خالق کے لئے اپنے آپ کو ایزاء دی ہے اس لئے وہ کچھ نہ کچھ تو لحاظ کرے گا۔

اگر پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا ہے تو خالق کے ان صالح بندوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جن کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ وہ خالق کی نظر میں اعلی مقام رکھتے ہیں۔ اور اس طرح مردہ شخصیات سے متعلق خود ساختہ عقائد، جنتر منتر اور چند حرکات جنم لیتی ہیں۔ ان اعلی شخصیات کے لئے خوشامدی کلمات گھڑے جاتے ہیں۔ ان کو انسانی صفات سے اعلی ثابت کیا جاتا ہے۔ انہیں انسان سے اٹھا کر مافوق البشر اور مافوق الفطرت ہستی بنایا جاتا ہے جس کے لئے دیو مالائی قصے کہانیاں گھڑ کر ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ حتی کے ان سے منسوب اشیاء بھی مقدس بنائی جاتی ہیں اور ان اشیاء کی شبیہ تک بنا کر مقدس کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جس میں ہر آنے والا کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا جاتا ہے۔ ان خرافات کو ختم کرنے کے لئے اور ان غلامیوں سے آزادی دلوانے کے لئے ہر دور میں صالح بندوں نے انسانی حقوق کی جنگ لڑی ہے اور انسانیت کو ان تمام جکڑ بندیوں اور گلے میں پڑے ہوئے طوق سے آزادی دلائی ہیں لیکن ان کے جانے کے بعد اسی ضابطہ حیات کو پھر ایک نئے مذہب کا رنگ دے کر انسانیت کو پھر اسی قید و بند میں جکڑ لیا جاتا ہے جس کو قرآن نے "أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ" کہا ہے۔

قرآن انبیاء ورسل کی جو داستان بیان کرتا ہے وہ یہی غلامی و آزادی کی داستان ہے۔ اگر موسیٰ کی داستان دیکھیے تو فرعون (قوت وطاقت)، ہامان (مذہبی پیشوائیت) اور قارون (مال ودولت) سے نجات دلانے کی داستان نظر آئے گی۔ اگر عیسیٰ کی داستان دیکھئے تو مذہبی پیشوائیت سے آزادی کی جدوجہد نظر آئے گی۔ اگر رسالتماب کی سیرت دیکھیں تو وہ خود اپنے جاگیرداری اور مذہبی نظام سے نبرد آزما نظر آتے ہیں۔

اس طرح کی جدوجہد سے قوموں کا مستقبل سنورتا ہے کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں پڑتی۔ کسی مذہبی پیشوائیت کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ مذہبی پیشوائیت کی جڑ و بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ کوئی نیا فرعون یعنی جاگیردار نہیں پیدا ہوتا بلکہ وڈیرا شاہی ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی قارون جنم نہیں لیتا بلکہ مالی استحصال کرنے والا طبقہ خود اپنی مال و دولت کی قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔

مذہب میں دیومالائیت کی ضرورت

انبیاء کی اسی جد وجہد کو بے مقصد بنانے کے لئے قصص الرسل میں ایسے لا یعنی اور انہونے واقعات کی بھرمار کر دی جاتی ہے اور انبیاء ورسل کی تعلیمات کو دیومالائی رنگ دے کر مظلوم لوگوں کے لئے خوشنما بنایا جاتا ہے۔ اور انہیں ان ہی قصے کہانیوں میں الجھا کر اس جدوجہد سے دور رکھا جاتا ہے جو انبیا ورسل نے اپنے زمانے میں استحصالی طبقات کے خلاف کی تھی۔

آج بھی دیکھ لیجئے جاگیر دار اور سرمایہ دار کے لئے مذہبی پیشواء جواز پیش کرتا ہے۔ زمین کا قبضہ کسی بھی انداز کا ہو جائز قرار دیتا ہے۔ مال کا استحصال خواہ کسی انداز سے ہو چندہ یا صدقہ دے کر پاک کرنے کی وعید سنائی جاتی ہے۔ تجارت کے اصول تاجر خود بناتا ہے۔ اسی لئے قوم کا استحصالی طبقہ اپنے آپ کو " ظل اللہ " اللہ کا سایہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ جس کے بدلے میں مذہبی پیشوا اس کے لئے جواز پیش کرتا ہے وہ مقدس باپ کی حیثیت اختیار کرتا ہے اور فرعون کے لئے مقدس بادشاہ کا فتواء جاری کرتا ہے یہ دونوں آپس میں سنگی ساتھی بن کر عوام کو لوٹتے ہیں۔

عوام میں ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہوتا ہے جو شروع شروع میں تو محنت سے دولت کماتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے وہ مالدار ہوتا جاتا ہے اسے ان حربوں کا بھی علم ہوتا جاتا ہے جس کے ذریعے غریب عوام کی خون پسینے کی کمائی کو مزید کیسے لوٹا جاسکتا ہے۔ اس کو قرآن نے قارون کا نام دیا ہے۔ قارون مظلوم عوام کی دولت لوٹنا شروع کرتا ہے۔ اور اپنی اس ناجائز کمائی کو جائز بنانے کے لئے نہ صرف مذہبی پیشواء سے اللہ کے نام پر فتوے حاصل کرتا ہے بلکہ حاکم وقت سے بھی ساز باز کر کے اپنے لئے اپنے پسند کے قوانین بھی بنواتا ہے جس کے بدلے میں وہ حاکم وقت کو مال کے ذریعے طاقت بہم پہنچاتا ہے یعنی فرعون (جاگیر داری طبقہ) ہامان (مذہبی پیشوا) اور قارون (سرمایہ دار) سب آپس میں ایک دوسرے کے دست وبازو بن کر ایک دوسرے کی

قوت بنتے ہیں تاکہ سادہ لوح عوام کو اپنا محکوم بنائے رکھیں اور ان کے خون پسینے کی کمائی سے عیاشی کر سکیں۔

عقیدہ معجزات کے اثرات

بہت صاف اور صریح الفاظ میں سمجھ لیجئے کہ معجزات کا بنیادی مقصد انبیاء کی محنت پر پانی پھیرنا ہے۔اس لئے کہ اگر تو انبیاء کرام نے اپنی قوم کے ایک ایک فرد کو بٹھا کر سمجھایا کہ خالق اور اس کے پیمانے، اصول اور احکامات کیا ہیں اور ان پر خود عمل پیرا ہو کر دکھایا کہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے کیا حاصل ہوتا ہے تو یہ تو بہت محنت طلب کام ہو گا جیسے کہ سورۃ نوح کی آیات 5 تا 9 میں سیدنا نوح کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلا وَنَهَارًا Oفَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلا فِرَارًا O

نوح نے کہا میرے رب میں نے رات و دن اپنی قوم کو دعوت دی۔میری دعوت نے کچھ فائدہ نہ دیا سوائے ان کے فرار میں زیادہ ہونے کے۔۔۔۔

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا O ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا O

مزید یہ کہ کھلے بھی دعوت دی۔۔۔اعلانیہ بھی۔۔۔۔۔۔خاموشی سے بھی۔۔۔۔

حد یہ ہو گئی کہ سیدنا نوح کو یہ کہنا پڑا

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لا تَذَرْ عَلَى الأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا Oإِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلا يَلِدُوا إِلا فَاجِرًا كَفَّارًا

اور نوح نے استدعا کی" اے رب زمین پر کافروں کے گھروں سے کوئی گھر نہ چھوڑنا۔یقیناً اگر تو نے ان کو چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کرینگے۔اور یہ صرف فاجر اور کفار ہی پیدا کرینگے۔

(سورۃ نوح آیت نمبر 26-27)

سیدنا نوح کی تمام تر زندگی کی تلخیص سورۃ نوح میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں چند آیات ہی پیش کی گئی ہیں کبھی اطمینان سے اس سورۃ کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ انبیاء کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تب بھی قوم بات مان کر نہیں دیتی۔

اس کے برعکس معجزاتی عمل سے ہمارے علماء واکابرین اور اسلاف کی نظر میں انبیاء کی اس محنت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ معجزہ دکھا کر اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے یا پھر معجزہ دکھا کر حجت قائم کرتا ہے اور پھر عذاب الہی لے آتا ہے اور یہ عذاب الہی بھی معجزاتی ہوتا ہے۔ یعنی کبھی تو آسمان سے پتھروں کی بارش ہوتی ہے تو کبھی زلزلہ آتا ہے تو کبھی ایسا سیلاب آتا ہے کہ پورا کا پورا کرہ ڈوب جاتا ہے سوائے مومنوں کے۔اس تمام معجزاتی عمل سے قوم پھر بھی ایمان قبول نہیں کرتی۔

جن کا کہنا ہے کہ معجزہ عذاب الہی سے پہلے آخری حجت ہوتی ہے ان کی خدمت میں عرض ہے کہ حجت ہمیشہ برھان اور دلائل سے کی جاتی ہے نہ کہ مافوق الفطرت حادثات کے ذریعے انسان کی عقل مار کر۔ قرآن تو یہ کہتا ہے

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

الحق آگیا اور باطل برباد ہو گیا۔

(سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 81)

وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ

وہ حق کو حق ثابت کرتا ہے اپنے احکامات کے ذریعے خواہ انکار کرنے والوں کو کتنا ہی برا لگے۔

(سورۃ یونس آیت نمبر 82)

ایک ایسا عمل جس میں عقل ماری جائے اور انسان کو حیران و پریشان کر کے اپنی بات منوا لی جائے کہاں کا انصاف ہے۔ یہ خالق کائنات اور اس کے رسولوں کو زیب نہیں دیتا یہ ان کی شان نہیں ہے اور نہ یہ کوئی فخر کی بات ہے۔ انسان کو اس کی عقل کی بنیاد پر قائل کیا جانا چاہئے۔ قرآن میں " لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ " بارہا جگہ آیا ہے اور سورۃ الانفال میں اس انسان کو بدترین جانور کہا ہے جو عقل استعمال نہیں کرتا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لا يَعْقِلُونَ

اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ ہے جو سنتا نہیں، بولتا نہیں، اور جو عقل سے کام نہیں لیتا۔

اتنے صاف صریح اعلان کے بعد بھی خدا آخری حجت کے لئے مت مارنے والے اعمال کے ذریعے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی بات منوائے۔۔۔۔۔بہت عجیب لگتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہو گئی جو آج کل کے چوہدری کرتے ہیں۔بات ماننی ہے تو مانو نہیں تو۔۔۔۔۔اور ڈرا دھمکا کر اپنی بات منوالی جاتی ہے۔طاقت اور قوت یا مافوق البشری عجائبات کا مظاہرہ کسی بات کی دلیل نہیں ہوتی۔ حجت صرف اور صرف عقلی دلائل پر مبنی ہوتی ہے۔ آج کوئی اپنی صلاحیت کو منوانے کے لئے عجوبہ نہیں پیش کرتا مثلاً کوئی طبیب اپنی صلاحیت کو منوانے کے لئے ان مریضوں کو پیش کرے گا جو اس کے علاج سے صحت یاب ہوئے ہونگے۔ وہ ہوا میں اڑ کر نہیں دکھائے گا کہ دیکھو میں یہ عجوبہ دکھا سکتا ہوں اس لئے میں طبیب ہوں۔اسی طرح کوئی رسول یا نبی جب کبھی رسالت یا نبوت کا دعویٰ کرے گا تو وہ کارہائے رسالت اور نبوت پیش کرے گا نہ کہ عجائبات دکھا کر اور عقل مار کر اپنی بات منوائے گا۔

اگر انسانوں کے ذہن میں یہ بات پختہ کر دی جائے کہ انبیا بھی دلائل کے ذریعے ناکام رہے اور انکو بھی آخری حجت کے لئے عجائبات کا مظاہرہ کرنا پڑا بلکہ اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کے لئے معجزات کا سہارہ لینا پڑا تو پھر انسان کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے وہ تو کسی

معجزے کے انتظار میں ہی وقت گزار دے گا یا کسی معجزہ کار شخصیت کا انتظار کرتا رہے گا اور انتہائی مجبوری کی حالت میں اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف اگر اٹھے گا بھی تو بے دلی سے اور اللہ سے معجزہ کی امید میں لگے رہتے ہوئے۔

اس کے علاوہ بھی انتہائی خطرناک اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ موقع پرست لوگ، مظلوم و معصوم لوگوں کو جو مذہبی پیشوائیت کے زیر اثر پہلے ہی معجزات کو یقینی اور الہی سمجھتے ہیں بے وقوف بناتے ہیں۔ ایسے ضعیف العقیدہ لوگ ان موقع پرست لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور دھوکے باز اور شعبدہ باز لوگ مختلف طریقوں سے عوام کو بے وقوف بناتے رہتے ہیں۔ کوئی ڈبہ پیر بن کر بے وقوف بناتا ہے تو کوئی پیٹ میں بن باپ کے بچے کو امام و مسیح باور کرواتا ہے۔ اور وقت کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا تک اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور اس کے پیچھے سجدے بھی کرتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک اثر یہ ہوتا ہے کہ غلبہ دین کا مقصود ذہن سے بالکل نکل جاتا ہے۔ اصول، براہین و دلائل کی بنیاد پر تفہیم و تنفیذ دین کا تصور مفقود ہو جاتا ہے۔ تمام جد وجہد، جس کا منطقی نتیجہ غلبہ دین ہونا چاہیئے پس پشت چلا جاتا ہے اور قوانین اور منطق کی بنیاد پر غلبہ دین کے تصور کی جگہ معجزہ اور معجزہ کار قیادت کے کمال کا تصور آجاتا ہے اس لئے مسیح اور مہدی کا انتظار رہتا ہے۔ غلبہ دین التواء کا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً خلاء پیدا ہوتا ہے جس کو جھوٹی تسکین کے ذریعے پر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سماع و نعت کی محفلیں جم جاتی ہیں عبادات پر زور دیا جاتا ہے کاروباری ذہنیت مذہبی پیشوائت کی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے اور وحی الٰہی کی تجارت شروع ہو جاتی ہے۔ اس تجارت میں ہر مذہبی تاجر دکان داری چمکانے کے لئے اپنی دکان کو سجاتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کے میں آگے بڑھوں ایک سوال کا جواب ذہن میں بالکل واضح ہونا چاہیئے اور وہ ہے۔ قرآن کا مقصد نزول کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کی بنیاد پر ذہن سے قرآن کے تمام ابہام دور ہو جائیں گے اور معجزات بھی خود بخود واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

مقصد نزول قرآن

دیکھئے فہم قرآن کی دو جہتیں ہیں۔

ا۔ مذہب کے حوالے سے خالق کی پرستش کرنا اور اسے خوش کرنا۔

اس کے برعکس

۲۔ انسان کو انسان کی غلامی سے آزادی دلانا۔

اس لئے سوچنے اور غور کرنے کی بات ہو گی کہ کیا خالق نے وحی اس لئے بھیجی کی وہ اپنی پرستش کے طریقے سکھائے جسے عبادت کہا جاتا ہے؟ اور ان عبادات کی وجہ سے ہی انبیاء و مومن کی کفار سے چپقلش چلی، انبیاء کو اپنی نبوت ثابت کرنے کے لئے یا عذاب الہی آنے سے پہلے بطور آخری حجت معجزہ دکھانا پڑا۔یا پھر انہوں نے مظلوم انسانیت کو ظالم کے ہتھکنڈوں سے آزادی دلائی۔

بنیادی طور پر اگر "عبد" کا مفہوم واضح ہو جائے تو عبادت یعنی پرستش اور عبدیت یعنی فرمابرداری کا فرق واضح ہو جائے گا۔ سورۃ الذٰریت کی آیت نمبر 56 میں ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ

ہم نے جن وانس کو تخلیق ہی اس لئے کیا کہ وہ عبدیت (عبادت) کریں

یہ تخلیق جن و انس کے مقصد پر بنیادی اور حتمی آیت ہے۔ اس آیت میں لفظ " یعبدون" آیا ہے جو مادہ کے لحاظ سے "ع ب د" سے مشتق ہے اور فعل کے لحاظ سے جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے۔ اگر تو اس کے معنی پرستش کرنا کئے جائیں تو مذہب کا تصور سامنے آئے گا۔ لیکن اگر اس کے معنی کسی کے احکامات پر چلنا کئے جائیں تو فرمانبرداری کا تصور سامنے آئے گا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ عبد کے معنی کیا ہیں ؟

"ع ب د" کے بنیادی معنی متعین کرنے کے لئے ہمیں دوسرے مقامات کو بھی دیکھنا ہوگا تاکہ "یعبدون" کے معنی واضح ہو جائیں اور پتہ چل سکے کہ آیا اس کے معنی عبادت کرنا بمعنی پرستش کرنا لئے جائیں گے یا کہ عبد کے معنی فرمانبرداری متعین کئے جائیں سورہ الشعریٰ کی آیت نمبر 18 میں فرعون کا مکالمہ درج ہے جو اس نے سیدنا موسیٰ سے کیا تھا۔

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ

اس نے کہا، کیا ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی تھی جب کہ تم بچے تھے، اور ہمارے درمیان تم نے کتنے سال گزارے۔

فرعون کے احسانات گنوانے کے بعد سیدنا موسیٰ نے جواب دیا

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہی وہ احسان ہے جو تم نے مجھ پر کیا کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔

دیکھئے فرعون نے جب اپنے احسانات کی لسٹ سیدنا موسیٰ کو بتائی تو جواب میں صرف اتنا کہا کہ تم نے میرے اوپر احسانات کا بدلہ خوب لیا کہ بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔ گو کہ تمام تراجم میں عبد کے معنی غلام ہی ملیں گے لیکن مفہوم بیان کرتے وقت گھپلا کر دیتے ہیں اسلئے لفظ " عبد " کے مفہوم کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے سب سے بنیادی سوال ہو گا کہ فرعون کیا بنی اسرائیل سے اپنی عبادت کرواتا تھا یا بنی اسرائیل کا قوت کے ذریعے استحصال کرتا تھا اور ان کے انسانی حقوق کو پامال کرتا تھا اور ان کی مرضی کے خلاف ان سے بیگار لیتا تھا؟

اگر تو فرعون اپنی پرستش کرواتا تھا تو "**یعبدون** " کے معنی ہونگے کہ اللہ نے جن وانس کو صرف پرستش کے لئے تخلیق کیا۔ لیکن اگر "عبد" کے معنی احکامات کی تابعداری کرنا ہے تو پھر اس کا مفہوم ہو گا اللہ کے احکامات پر عمل کرنا۔

کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کو عبد بنانے کے باوجود اپنی کوئی پرستش یا عبادت نہیں کروائی، اس لئے یہ بات تو متعین ہو گئی کہ "عبد" کے معنی پرستش نہیں، لیکن ابھی دیکھنا باقی ہے کہ کیا قرآن مزید مقامات پر بھی اس مؤقف کی تائید کرتا ہے۔ قرآن میں سورۃ ابراہیم کی پہلی آیت ہی اس بات کو واضح کر رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی تا کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ اپنے پروردگار کے احکامات کے ساتھ غالب و حمید کے راستے کی طرف۔

اس آیت میں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا کہ

۱۔ تم انسانیت کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاؤ۔

۲۔ اپنے پروردگار کے احکامات کے ساتھ۔

۳۔ الی صراط العزیز الحمید " غالب حمید کے راستے کی طرف"۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ بھیجا کہ تم اپنی قوم کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ۔

ان دونوں آیات پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ رسالتمآب اور سیدنا موسیٰ (دونوں) اپنی اپنی قوم کی طرف ایک مقصد کے تحت آیات الٰہی کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا، کہ اپنی اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔

سید ناموسیٰ نے وہ کون سا کارنامہ سرانجام دیا جس کے لئے وہ اپنی قوم کی طرف آیات کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ موسیٰ کا کارنامہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور آزادی کی فضا میں سانس دلوائی۔یعنی روشنی وہ طریقہ حیات ہے جو خالق کائنات نے دیا ہے جس میں انسانی حقوق محفوظ ہیں اور یہی مقصد سید ناموسیٰ کے بھیجنے کا بیان ہوا ہے

لیکن قرآن نہ صرف آزادی کی بات کر رہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بتا رہا ہے۔ سورۃ القصص کی آیت نمبر 5 میں فرعون کے مظالم کے بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ O وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ۔۔۔

اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ضعیف بنا دئے گئے تھے کہ ہم ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث بنائیں اور زمین میں تمکن دیں۔

دیکھئے یہ ہے مقصد نزول قرآن کہ پسی ہوئی انسانیت کو غلامی سے آزاد کرایا جائے اس کو اس کے حقوق دلوائے جائیں اور لوگوں کو تمکن عطا کیا جائے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 139 میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اور تم نہ تو کمزور پڑو اور نہ ہی ملال کرو اور تم ہی انتہائی اعلیٰ ہو گے بشرطیکہ تم اہل امن (مومن) ہو۔

دیکھ لیجئے قرآن مومن کو " اعلون " یعنی سب سے اعلی ہونے کی خوشخبری دے رہا ہے ، ذلیل اور مغلوب ہونا مومن کی شان نہیں۔ ہم اگر ذلیل ہیں تو یقیناً مومن نہیں خواہ اپنے منھ سے زبانی کلامی کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرتے رہیں۔ ہمارے فلسفی جتنا مرضی ترک دنیا کا

درس دیں، ہمارے علماء جتنی مرضی آ ئے عبادات کروالیں اور دعائیں کریں لیکن نہ ترک دنیا سے ، نہ ہی عبادات سے ،نہ ہی بلند بانگ دعوؤں سے ، نہ ہی لمبی لمبی دعاؤں سے عزت ملے گی اور نہ ہی غلبہ حاصل ہو گا۔ غلبہ حاصل ہو گا تو وحی الٰہی پر عمل پیرا ہو کر۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کے مفاہیم میں دیومالائی عنصر کس طرح داخل ہو گیا؟ قرآن نے ایک قوم کا جسے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے ذکر کیا ہے اور انکے حوالے سے غلط خیالات کی تصحیح کی ہے۔ سورۃ النمل کی آیت نمبر 76 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کرتا ہے

دیکھئے قرآن نے نہ تو کسی قوم کا نام لیا اور نہ ہی کسی کتاب کا، بلکہ بتا دیا کہ قرآن میں بنی اسرائیل سے متعلق ان معاملات وواقعات کا صحیح بیان ملے گا جن میں انہوں نے اکثر اختلاف کیا ہے۔

اس لئے وہ علماء حضرات جو دوسرے مذاہب کی کتابوں کو دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں (خواہ تردید کے لئے یا تائید کے لئے) میری نظر میں غلط روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ قرآن کو نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کی تشہیر کر رہے ہیں اور دیکھ لیجئے کہ ہماری تفاسیر میں یہی کچھ موجود ہے۔ جہاں مفسر کو سمجھ میں بات نہ آئی اس نے دوسرے مذاہب سے عقائد مستعار لئے اور قرآن کی تفسیر کر ڈالی جس کی وجہ سے آج معلوم نہیں ہو رہا کہ تفاسیر میں کہاں مجوسیت بول رہی ہے اور کہاں یہودیت اور کہاں نصرانیت۔

قرآن میں قصص الرسل کا مقصد؟

آیئے۔۔۔سوچتے ہیں کہ کیا ان قصوں میں چند دیو مالائی افسانوی کہانیوں کی تکرار ہے جن کا نہ تو ہماری زندگی سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی حقیقت سے کوئی واسطہ یا یہ کہ ان قصوں میں مومنین کے لئے کوئی لائحہ عمل بتایا گیا ہے۔ کوئی اسوۃ بیان ہوا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

آیئے دیکھیں کہ ان کہانیوں میں دیو مالائی عنصر کس طرح در آیا اصلاً جس وقت انسان انتہائی پستی کا شکار ہوتا ہے اور ظلم و استبداد کے پنجے میں جکڑا ہوتا ہے تو عملی لحاظ سے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رویہ یہی ہوتا ہے کہ وہ دن میں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اپنے ارد گرد ایک تصوراتی دنیا کو جنم دیتا ہے اور ہر اس شخص کو جو اس پر ظلم کر رہا ہوتا ہے چشم زدن میں تحث نحث کر دیتا ہے۔ وہ خود ایک دیو مالائی ہستی بن کر ظالم پر عذاب کا کوڑا برساتا ہے اور اپنے جیسے مظلوم لوگوں پر رحمت کی بارش کرتا ہے پلک جھپکتے وہ ہواؤں کے ہنڈولوں پر سوار مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو پہنچتا ہے اور ظالم پر آسمان سے آگ اور بجلی گرا کر نیست و نابود کر دیتا ہے۔ لیکن جب آنکھ کھلتی ہے تو صرف وہ ہوتا ہے اور اسکی مظلومیت، البتہ وہ پھر سے وہ خواب دیکھنا چاہتا ہے اور بار بار دیکھتا ہے کہ حقیقت میں نہ سہی خوابوں میں ہی کم از کم اپنی کسمپرسی پر کسی سے تو بدلہ لے لیتا ہے اور چند لمحے کی خوشی تو حاصل کرتا ہے۔

بعض لوگ بار بار ان خوابوں کو دیکھنے کے باوجود سکون حاصل نہیں کر پاتے تو کسی دیو مالائی شخصیت کا خواب دیکھتے ہیں اور اس کے انتظار میں ساری عمر گزار دیتے ہیں کہ کوئی مسیحا آئے گا جو ان کے دکھ درد کا مداوا کرے گا۔

لیکن اس کے برعکس قرآن ان دیو مالائی افسانوی فوق البشری اور فوق الفطری خواب زدہ کہانی اور قصوں سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لاتا ہے تاکہ انسان اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرے

، کان سے سنے، بحث و مباحثہ کرے اور عقل استعمال کرے۔ ظلم اور جبر کو ختم کرے اور اسی مقصد کے لئے قرآن انبیاء ورسل کے واقعات بیان کرتا ہے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام انبیاء ورسل کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اپنی ہی قوم کے لوگوں سے اختلاف ہوا ہے اور یہاں تک معاملات پہنچے کہ رسول تک کہہ اٹھے۔ " انی مغلوب فانتصر " یقینی طور پر میں مغلوب ہوا پس میری مدد کر"۔ اسی طرح رسالتماب کو بھی تسلی دی گئی۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ

اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے تو وہ جھٹلائے جانے پر استقامت سے ڈٹے رہے اور ایذاء دئے گئے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچی۔

(سورۃ الانعام آیت نمبر 34)

ان رسولوں میں سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ بھی شامل ہیں۔ نہ تو کسی مافوق البشری اور نہ ہی مافوق الفطری معجزہ کی وعید ہے بلکہ رسالتماب سے یوں ارشاد ہوا

وَكُلا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ

اور ہم تم پر جو رسولوں کی خبروں سے بیان کر رہے ہیں وہ اس لئے ہے تا کہ اس کے ذریعے ہم تمہاری تثبیت قلب کریں۔ ان قسّوں میں تمہارے پاس حق آگیا اور مومنین کے لئے نصیحت اور یاد دھانی ہے۔

(سورۃ ھود آیت نمبر 120)

دیکھ لیجئے ان قصص الرسل میں رسالتماب کو اطمینان دلایا جارہا ہے کہ مشکل سے مشکل وقت میں بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ نہ صرف رسالتماب بلکہ مومنین کے لئے بھی ان قصص الرسل میں نصیحت اور یاد دھانی ہے کہ تم سے پہلے بھی جو قومیں گزریں ان کے لوگ بھی اسی طرح مشکلات سے دوچار ہوئیں انہیں بھی ایذا دی گئی لیکن وہ ثابت قدم رہے اور کامیاب و کامران ہوئے۔

دیو مالائی قصے کہانیاں ہر دور میں لکھی جاتی رہی ہیں۔ اور ان کا مقصد ہر دور میں نوٹنکی کی زینت بنتا ہی رہا ہے۔ آج بھی عوام کو اصل مسائل سے دور رکھنے کے لئے یہ دیومالائی ڈرامے اور کہانیاں دکھائی اور سنائی جاتی ہیں۔ ایسے ڈراموں اور کہانیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے صرف اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لئے انسان دنیا کے جھمیلوں سے دور سکون حاصل کرتا ہے لیکن اس شخص کو جو اصل حقائق کا سامنا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس میں کوئی چاشنی نہیں بلکہ وہ ایسی کہانیوں کو فرار سمجھتا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ایسی کہانیاں کبھی بھی کسی اچھے ادب میں جگہ نہیں لے سکیں۔ البتہ مذھبی داستانوں کی زینت ضرور بنتی رہی ہیں۔

قصہ موسیٰ کا عمومی تصور

اس سے پہلے کہ سیدنا موسیٰ کے معجزات کا براہ راست مطالع کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ کے متعلق جو عمومی تصور ہے، اس کا جائزہ لے لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش کے وقت اس وقت کے فرعون کا یہ عمل تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے خاندان کے نومولود لڑکوں کو مروا دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس لئے سیدنا موسیٰ کی والدہ کو سیدنا موسیٰ کی پیدائش کے بعد اُن کو دریا میں بہانا پڑا۔ سیدنا موسیٰ دریا میں بہتے ہوئے فرعون کے محل میں پہنچے جہاں ان کو فرعون کی بیوی نے اٹھالیا اور اپنا بیٹا بنا کر اپنے گھر میں پرورش کے لئے رکھ لیا۔ لیکن کیونکہ موسیٰ کسی کا دودھ نہ پیتے تھے اس لئے واپس اپنے گھر لائے گئے اور اس طرح ابتدائی پرورش اپنے ہی گھر میں پائی۔ لیکن موسیٰ کا آنا جانا فرعون کے دربار میں لگا رہتا تھا۔ انہی ایام میں موسیٰ ایک دن فرعون کی گود میں کھیل رہے تھے کہ انہوں نے فرعون کی داڑھی کو پکڑ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا جس پر اس کو غصہ آیا لیکن اس کی بیوی نے سمجھا بجھا کر فرعون کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ لیکن فرعون نے امتحان لینے کے لئے موسیٰ کے آگے آگ کا انگارہ رکھ دیا جو انہوں نے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس پر فرعون کو اطمینان ہوا لیکن موسیٰ کی زبان میں لکنت آگئی۔

سیدنا موسیٰ کا بچپن کیونکہ اپنی ماں کے گھر میں زیادہ گزرا اس لئے بنی اسرائیل کی زندگی، ان پر مظالم اور ان کے عقائد کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ سیدنا موسیٰ کیونکہ سلیم الفطرت انسان تھے اس لئے ان کے دل میں مظلوم کے لئے ہمدردی کا جذبہ ایک قدرتی اثر تھا، جس کی وجہ سے ایک دفعہ جب ایک ظالم کو مظلوم پر ظلم کرتے دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا اور جھگڑے کے دوران ظالم کو ایک گھونسا ایسا رسید کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ مدین کی طرف ہجرت کر گئے، وہاں ایک صالح انسان سے ملاقات ہوئی اور وہیں انکی شادی اُسی صالح شخص کی بیٹی سے ہو گئی اور کچھ عرصہ گزارنے کے بعد واپس مصر لوٹے۔

راستے میں موسیٰ کو آگ نظر آئی قریب گئے تو اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اللہ نے ان سے ان کے عصاء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ان کی لاٹھی ہے جس پر وہ بھروسہ کرتے ہیں اور بکریوں کے لئے چارے کا بھی انتظام کرتے ہیں اور دوسرے بھی بہت سے کام لیتے ہیں۔ اس جواب پر اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اُس عصاء کو زمین پر ڈالیں۔ اور جیسے ہی موسیٰ نے عصاء کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک اژدھا بن گیا۔ موسیٰ کو خوف محسوس ہوا تو کہا گیا کہ تم خوف نہ کھاؤ بلکہ اس کو اٹھاؤ اور جیسے ہی موسیٰ نے عصاء کو اٹھایا تو واپس لاٹھی بن گیا۔ اس معجزہ کے ساتھ ہی دوسرا معجزہ بھی دیا گیا۔ جو ید بیضاء کے نام سے مشہور ہے موسیٰ سے کہا گیا کہ تم اپنا ہاتھ بغل میں لے جا کر نکالو۔ جیسے ہی موسیٰ نے یہ عمل کیا تو وہ سفید ہو گیا اور دوسری دفعہ جب یہی عمل دہرایا تو اپنی اصلی حالت میں واپس گیا۔ اور اس طرح ان معجزات کے ساتھ سیدنا موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ جہاں سیدنا موسیٰ فرعون کے دربار میں دونوں معجزات پیش کرتے ہیں۔ لیکن فرعون اور اس کے درباری ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ معجزات کو جادو سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے فرعون بھی تمام جادوگروں کو اکٹھا کرتا ہے اور سرعام مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ مقابلے میں فرعون کے جادوگر اپنی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو ڈالتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے سانپ بن جاتے ہیں جس کے مقابلے میں سیدنا موسیٰ اپنی لاٹھی ڈالتے ہیں تو وہ اژدھا بن جاتا ہے جو فرعون کے جادوگروں کے تمام سانپ ہڑپ کر جاتا ہے، اس طرح مقابلے میں فرعون کے جادوگر ناکام ہوتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن فرعون اور اس کے سردار بمع قوم کے پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ فرعون اور اس کی قوم بار بار عذاب میں مبتلا کئے جانے کے باوجود ایمان قبول نہیں کرتے ہیں گو کہ عذاب کے وقت تو وہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر عذاب ٹل گیا تو وہ اہل ایمان ہو جائیں گے لیکن نہ تو عذاب کی حالت میں اہل ایمان ہوئے اور نہ ہی عذاب ٹلنے کے بعد، بلکہ اخیر وقت تک موسیٰ اور انکی قوم کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موسیٰ اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کرتے ہیں لیکن دریا یا سمندر کو عبور کرنے کے لئے سیدنا موسیٰ کو اپنا عصاء ڈالنا پڑتا ہے جس سے پانی میں ان کے لئے راستہ بن جاتا ہے اور سیدنا موسیٰ

بمع بنی اسرائیل بحفاظت نکل جاتے ہیں لیکن جیسے ہی فرعون اور اس کے ساتھی نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو پانی جو دو حصوں میں تقسیم تھا پھر واپس مل جاتا ہے جس کی وجہ سے فرعون اور اسکی قوم غرق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد موسیٰ صحراء سینا میں اپنی قوم کو لے جاتے ہیں لیکن اُس دوران نہ تو کہیں عصاء کا ذکر آتا ہے اور نہ ہی ید بیضاء کا۔ البتہ قوم موسیٰ کا ذکر ملتا ہے جو بار بار سیدنا موسیٰ کی نافرمانی کرتی ہے جسکی وجہ سے کبھی ان کو بندر بنا دیا جاتا ہے تو کبھی ان کو موت دے کر پھر زندہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود انکی قوم ہے کہ باز ہی نہیں آتی۔ کبھی سامری انہیں ورغلاتا ہے کہ ان زیورات سے جو قوم فرعون نے ان کے پاس امانت رکھوائے تھے بچھڑا بنائیں تو کبھی خود ہی سرکشی پر اتر آتے ہیں۔

یہ ہے مختصراً قصہ موسیٰ بمع معجزات جو معمولی اختلاف کے ساتھ سب ہی مذہبی کتابوں میں قصص الانبیاء کے تحت ملتا ہے۔

معجزات کے حوالے سے عمومی سوالات

اس سے پہلے کہ معجزات موسیٰ کا جائزہ لیا جائے بہتر ہو گا کہ معجزات کے حوالے سے مختصراً ان مباحث کو پھر سے ذہن نشین کرلیں جو حقیقت معجزات حصہ اوّل میں زیر بحث آچکے ہیں۔

۱۔ سورۃ الانعام میں رسالتماب کو معجزات نہیں دیئے گئے بلکہ معجزات کی خواہش کو بھی جہالت قرار دیا گیا۔ اس لئے سوال ہو گا کہ جو عمل رسالتماب کے حوالے سے جہالت قرار دیا گیا وہ دوسرے انبیاء کے حوالے سے دانائی کیونکر قرار دی جاسکتی ہے؟ یہ ناممکن ہے کہ خالق کائنات کسی زمانے میں ایسی جہالت کو دانائی قرار دیں۔

۲۔ معجزات کا اہتمام جن لوگوں کے لئے کیا گیا وہ تو اس واقعہ کے عینی شاہد بن گئے لیکن نہ صرف اسی زمانے کے ان لوگوں کے لئے جو اس جگہ موجود نہ تھے بلکہ آئندہ نسل کے آنے والوں کے لئے بھی صرف ایک کہانی ہے جس سے شخصیت پرستی تو وجود میں آسکتی ہے لیکن کسی بھی انسان کو اُس کا فائدہ نہیں ہوتا۔

۳۔ نبیوں کی اعلیٰ شخصیت بذات خود لوگوں کے لئے ایمان کا باعث ہو سکتی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ نبیوں کو تو معجزات ملیں اور جب وہ نہ رہیں اور عام لوگ اللہ کی دعوت لے کر اٹھیں تو ان کو کوئی معجزہ نہ دیا جائے۔

۴۔ کیا کسی انسان کو مافوق الفطرت حادثات دکھا کر ایمان یا کفر پر لایا جاسکتا ہے؟ اگر کسی ذہنی کیفیت کو بدل کر ایمان پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کفر پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے پھر کفر اور ایمان دونوں کا مواخذہ کس بنیاد پر ہو گا۔ اللہ کا فرمان ہے۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِينَ

پس اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا

(سورۃ الانعام آیت نمبر 149)

یعنی معجزات یا کسی بھی ایسے عمل کے ذریعے جس سے لوگوں کی عقل ماری جائے یا زبردستی کی جائے ایمان اور اسلام کو قبول کروانا اللہ کی سنت نہیں رہی ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ ہر شخص کو اپنی آزاد رائے اور عقل کے استعمال کی دعوت دیتا ہے۔

۵۔ غور کیجئے اگر نبی جیسی ہستی کو بھی اسلام یا اسلام کو قبول کروانے کے لئے معجزات کی ضرورت ہو سکتی ہے تو عام انسان تو بے چارہ کیا کسی کو ایمان اور اسلام کی دعوت دے گا۔۔۔۔۔!

یاد رکھئے معجزات اور کرامات دن کی روشنی میں نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی بتا کر ہوا کرتے ہیں۔ تمام تر دیومالائیت گزرے ہوئے لوگوں سے منسوب کی گئی کہانیاں ہوتی ہیں جو سامری لوگوں کو سنا کر اپنے آپ کو قد آور ثابت کرتا ہے اور عوام کی خون پسینے کی کمائی یہ کہہ کر لوٹتا ہے کہ اگر یہ عقائد ختم ہو گئے تو تمہارا دین ختم ہو جائے گا اس لئے دین کی حفاظت کے لیے میری مدد کرو۔

٦۔ ہر رسول کی زندگی مومن کے لئے "اسوۃ" ہے یعنی رسولوں کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے، ہم نے اپنی زندگی کو اُس اسوۃ کے مطابق ڈھالنا ہے۔ ذرا بتایئے کہ ان معجزاتی پہلوئں میں ہمارے لئے کیا نمونہ ہے اسے ہم اپنے اوپر کس طرح لاگو کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

ایک عام انسان بھی جسے شعور حاصل ہو جائے اپنی زندگی بھیڑیں چرانے میں ضائع نہیں کرے گا

قصّہ موسیٰ۔۔۔ عقلی توجیہات

قصّہ سیدنا موسیٰ کا عقلی بنیاد پر لینا ضروری ہے تا کہ عقلی بنیاد پر بھی دیکھ لیا جائے کہ اس کہانی میں دیومالائی عنصر ڈالنے کے لئے کیا کچھ زیب داستان بیان ہوا ہے۔

۱۔ اگر فرعون بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا تو بنی اسرائیل کی نسل کس طرح چلتی تھی اور فرعون کو بیگار کے لئے غلاموں کی فوج کہاں سے ملتی تھی۔

۲۔ اگر قتل اولاد کو صحیح بھی مان لیا جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ واقعہ سیدنا موسیٰ کی ولادت کے وقت کا ہے تو قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔ اور اس کو مختلف ادوار اور اوقات میں بیان کرتا ہے (تفصیل آگے قتل اولاد کے تحت آرہی ہے)

۳۔ کیا سیدنا موسیٰ مدین میں صرف بھیڑیں چراتے رہے اور انکے لئے درختوں سے پتے توڑتے رہے؟ یا یہ کہ انہوں نے ایک نبی ہونے کے ناطے ایک صالح انسان کی صحبت میں کچھ کام بھی کیا؟ ایک عام انسان بھی جسے شعور حاصل ہو جائے اپنی زندگی بھیڑیں چرانے میں ضائع نہیں کرے گا۔ سیدنا موسیٰ نے وہ کچھ حاصل کیا جس کے لئے اللہ نے ان کو سند عطا فرمائی اور کہا کہ

ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ O وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي O

پھر تم ہمارے اس پیمانے پر آئے کہ ہم نے تم کو اپنے لئے پسند کیا۔

۴۔ معجزات دکھانے کے باوجود نہ تو فرعون اور اس کے سرداروں نے اور نہ ہی اس کی قوم نے ایمان قبول کیا، البتہ صرف ان ساحروں نے ایمان ضرور قبول کیا جن کے سامنے معجزات دکھائے گئے۔ یعنی واقعاتی لحاظ سے صرف وہی لوگ اہل ایمان ہوئے جن میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ سحر اور معجزہ میں فرق کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر فرعون اور اس کی قوم میں

یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ سحر اور معجزہ میں فرق کر سکتے جس کی بناء پر انہوں نے معجزات کو بھی جادو سمجھا تو کیا غلطی کی؟

۵۔ سیدنا موسیٰ کو فرعون کی طرف نہ صرف آیات بلکہ "سلطان مبین "کے ساتھ بھیجا گیا تھا یہ "سلطان مبین "کیا تھی؟

پچھلے صفحات میں موسیٰ کے حوالے سے ایک عمومی مطالعہ کرنے کے بعد جو سوالات اٹھے تھے ان کا ہم نے سرسری جائزہ لیا۔ آیئے اب قرآن کا موقف بھی دیکھ لیں جو اس عمومی مؤقف کی نفی کرتا نظر آتا ہے۔

ا۔ سیدنا موسیٰ کا عصاء اگر سانپ یا اژدھا بن جاتا تھا اور ہاتھ بھی سفید ہو جاتا تھا تو اتنے زبردست مافوق الفطرت معجزات کے ساتھ بھی سیدنا موسیٰ فرعون کے سامنے جاتے ہوئے گبھرا رہے ہیں۔

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے

(سورۃ الشعراء آیت نمبر 114)

۲۔ سیدنا موسیٰ جب فرعون کے دربار میں معجزات پیش کرتے ہیں تو درباری مذاق اُڑانے لگتے ہیں۔ حالانکہ اژدھے کو دیکھ کر تو دربار میں بھگدڑ مچ جانی چاہیے تھی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ درباری مذاق بھی موسیٰ کا نہیں بلکہ معجزات کا اُڑاتے ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ

پس جب وہ ان کے پاس ہماری آیات کے ساتھ آیا تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔

(سورۃ الزخرف آیت نمبر 47)

۳۔ موسیٰ کے واقعے میں آیت کا ترجمہ معجزہ کر کے صرف دو ہی معجزات کا بتایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن نے ان دو آیات کے علاوہ اس سے بھی بڑی بات کا ذکر کیا ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى

تا کہ ہم تم کو عظیم آیات دکھائیں۔

(سورۃ آیت نمبر23)

۴۔ سورۃ طہ میں مذکور ہے کہ اللہ پاک نے موسیٰ سے پوچھا۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى

تیرے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔

(سورۃ طہ آیت نمبر17)

اس آیت میں لفظ " بیمینک " آیا ہے جس کا ترجمہ سیدھا ہاتھ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہاتھ کے لیے لفظ "ید" موجود ہے اور چند آیات بعد ہی آیت نمبر22 ہے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ

اپنا ہاتھ اپنی بغل میں لگاؤ

۷۔ جب موسیٰ نے اژدھے کو دیکھا تو خوف کھایا جس پر اللہ نے فرمایا۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى

اس کو حاصل کرو اور خوف نہ کھاؤ ہم جلد ہی اس کو اس کی پہلی سیرت پر واپس لائیں گے

(سورۃ طہ آیت نمبر21)

اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ا۔۔اس آیت میں کسی اژدھے کے پکڑنے کی بات نہیں ہو رہی۔ لفظ "اخذ" استعمال ہوا ہے جس کے معنی حاصل کرنا ہوتے ہیں۔ یعنی یہاں حاصل کرنے کی بات ہو رہی ہے نہ کہ پکڑنے کی۔

۲۔ دوسری انتہائی اہم بات کہ یہاں اژدھے کی شکل و صورت کی بات نہیں ہو رہی ہے بلکہ سیرت کی بات ہو رہی ہے لفظ ''سیرتھا'' کا ترجمع " اس کی سیرت " ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اسکی صورت۔ اس کی صورت کا ترجمع ہو گا ''صورتھا'' اس کی صورت یعنی موسیٰ کے عصاء کی سیرت بدلی تھی نہ کہ صورت۔

۸۔ سیدنا موسیٰ نے فرعون کے جادوگروں کو مقابلے سے پہلے نصیحت کی تھی۔

وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ‌ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى

تمہاری بربادی ہے تم اللہ پر جھوٹ گھڑنے سے باز رہو ورنہ وہ تم کو عذاب میں پکڑے گا اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے جھوٹ گھڑا

(سورۃ طہٰ آیت نمبر 61)

اس آیت میں بڑے واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جنہیں جادوگر کہا جاتا ہے اصلاً اللہ پر جھوٹ گھڑ رہے تھے۔ غور کیجیے کہ جادوگر کیا کر رہے تھے " وہ افتراء کر رہے تھے" جس سے موسیٰ روک رہے ہیں۔ جادوگروں نے اللہ پر کون سا جھوت گھڑا تھا جس پر تنبیہ کی گئی تھی؟

قرآن کا ایک موضوع ''افک'' ہے۔ اللہ پر جھوٹ کون گھڑتے ہیں، کیا کیا جھوٹ گھڑتے ہیں اگر افک سمجھ آجائے تو جادوگروں کا جھوٹ بھی معلوم ہو جائے گا۔ قرآن کے مطالع سے معلوم ہو جائے گا کہ مذہبی تحریکوں نے نئی نئی شریعتوں کو بنا کر اللہ کے نام پر لوگوں کے حوالے کیا کچھ کیا ہے۔

۹۔ سیدنا موسیٰ کا عصاء جب جادو گروں کی چھوٹی چھوٹی لاٹھیوں اور رسیوں کی تباہی مچا رہا تھا تو لفظ ''تلقف'' استعمال ہوا ہے جو کھانے کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ کھانے کے لئے عربی میں معروف لفظ ''اکل'' ہے۔ اردو میں بھی اکل وشرب بولا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کھانا وپینا۔ اکل کے علاوہ اگر کھانے کے لئے کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنا ہو تو وہ ''لقمہ'' بھی ہو سکتا ہے تیسرا لفظ ''بلع'' بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جس کے معنی نگلنے کے ہیں۔ لیکن ''تلقف'' کے مادہ سے بننے والے الفاظ میں کسی کے دلائل کو دلائل کے ذریعے باطل قرار دیا جانا ہوتا ہے۔ اور جب یہ ''افک'' کے لئے استعمال کیا گیا ہو تو سوائے دلیل کے ذریعے دوسرے کی بات کو غلط قرار دینے کے کوئی اور معنی اخذ کرنا زیادتی ہو گی۔ جھوٹ صرف دلائل کی بنیاد پر ہی باطل قرار دیا جاسکتا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 117 میں موسیٰ سے ارشاد ہوا۔

فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ

اسکو جو انہوں نے جھوٹ گھڑا ہے باطل قرار دے گی۔

۱۰۔ آیت نمبر ٦٦ میں ایک لفظ " حبالھم " آیا ہے۔

قَالَ بَلْ أَلْقُوا فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ

"حبال" " حبل" کی جمع ہے جس کے معنی رسی کے ہوتے ہیں۔ اور قرآن نے اپنے آپ کو "حبل اللہ" کہا ہے۔ یہاں سے اندازہ لگالیجئے کہ جادوگروں کے حبال کیا تھے ؟ان جادوگروں نے "حبالھم " اپنی اپنی شریعتیں پیش کی تھیں

۱۱۔ فرعون کے جادوگر ناکام ہو کر جب ایمان قبول کرتے ہیں تو فرعون کو غضبناک پا کر اسے جواب دیتے ہیں۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا

تم صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہو کہ ہم نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ جب وہ ہمارے پاس آئیں ایمان قبول کیا ہے

یہاں غور طلب بات ہے کہ جادوں گروں نے صرف عصاء کا اژدھا بن جانے کا اکیلا معجزہ دیکھا تھا جو صرف ایک تھا جب کہ جادو گر ایک معجزے کا نہیں بلکہ بہت ساری آیات کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آیات کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ جب آیات "آ گئیں" اگر یہ معجزہ عصاء کا اژدھے میں بدلنے کا تھا تو یہ دیکھنے سے متعلق ہونا چاہیے تھا اور جادو گروں کو کہنا چاہیے تھا جب ہم نے "دیکھ لیا"۔

قصہ موسیٰ کے اہم واقعات جن میں جادو ، قتل اولاد ، عصاء اور ید بیضاء خاصے مشہور ہیں۔ آگے کے صفحات میں ہم انہی واقعات کی حقیقت دیکھیں گے۔

حقیقت سحر (جادو)

سیدنا موسیٰ کے حوالے سے سحر کا بہت چرچا کیا جاتا ہے۔ کیا کوئی مسجد کا ملا ہو چرچ کا پادری ہو یا ہیکل کا ربی ہر مذہبی پیشوا کی زبان پر سحر بمعنی جادو موجود ہے۔ اسی طرح عوام میں بھی خواہ پڑھا لکھا تعلیم یافتہ طبقہ ہو یا ان پڑھ جاہل جب بھی انبیاء اور خاص طور پر موسیٰ کے حوالے سے بات نکلے گی تو ہر ایک کی زبان سے جادو ایک اٹل حقیقت کے طور پر نکلے گا۔ یہاں تک کہ رسالتماب کے حوالے سے بھی جادو کو ثابت کیا جاتا ہے۔

آیئے اب ہم قرآن سے سحر کی حقیقت معلوم کرتے ہیں۔ سورۃ یونس کی آیت نمبر 2 میں رسالتماب کے حوالے سے ارشاد ہوا۔

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ مُبِينٌ

کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کو وحی کی کہ لوگوں کو پیش آگاہ کرو اور اہل ایمان کو خوشخبری دو کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے تو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔

یعنی جب رسالتماب کو وحی کے ذریعے تعلیمات دی گئیں اور انہوں نے ان تعلیمات کو اپنے معاشرے تک پہنچانا شروع کیا تو معاشرے کے ان افراد نے جن کا مفاد ان تعلیمات سے وابستہ تھا فوراً انکار کی روش اختیار کی اور رسالتماب کے متعلق کہنے لگے کہ یہ تو بڑا واضح طور پر جادو گر ہے۔

دیکھ لیجئے کہ رسالتماب نے ان کو نہ تو کوئی معجزہ دکھایا تھا اور نہ ہی کوئی جادو بلکہ وحی الٰہی کی تعلیمات پیش کی تھیں جس پر رسالتماب کو جادو گر کہا گیا۔

"نَحۡنُ أَعۡلَمُ بِمَا يَسۡتَمِعُونَ بِهِۦٓ إِذۡ يَسۡتَمِعُونَ إِلَيۡكَ وَإِذۡ هُمۡ نَجۡوَىٰٓ إِذۡ يَقُولُ ٱلظَّٰلِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلٗا مَّسۡحُورًا

ہمیں خوب معلوم ہے جس نیت سے یہ باتیں سنتے ہیں جب کہ یہ تم کو سن رہے ہوتے ہیں اور جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 47)

جیسا کہ اوپر عرض کیا سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 47 اور سورۃ الفرقان کی آیات 8 تا 9 میں بھی رسالتماب کو سحر زدہ کہا گیا۔ حالانکہ قرآن نے دونوں باتوں کی نفی کر دی کہ نہ تو رسالتماب پر جادو ہوا اور نہ ہی وہ جادو گر تھے اور ایسا کہنے والے گمراہ ہیں۔ لیکن اب اسلاف کو کیا کہئے کہ وہ ضعیف روایات کی بنیاد پر قرآن کی صریح آیات کا انکار کرتے ہیں اور رسالتمآب پر جادو ہونے کو نہ صرف ثابت کرتے ہیں بلکہ جادو کو بھی برحق کہتے ہیں۔ سورۃ الزخرف کی آیت نمبر 3 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلۡحَقُّ قَالُواْ هَٰذَا سِحۡرٞ وَإِنَّا بِهِۦ كَٰفِرُونَ

اور جب ان کے پاس الحق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے انکاری ہیں

دیکھ لیجئے احکامات الٰہی کو ہر دور میں جادو سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ ص کی آیت نمبر ۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَجِبُوٓاْ أَن جَآءَهُم مُّنذِرٞ مِّنۡهُمۡۖ وَقَالَ ٱلۡكَٰفِرُونَ هَٰذَا سَٰحِرٞ كَذَّابٌ

اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے پیش آگاہ کرنے والا آیا اور کافروں نے کہا کہ یہ تو جھوٹا جادو گر ہے۔

یعنی جب رسالتماب وحی کی تعلیمات کے ذریعے اپنے لوگوں کو پیش آگاہ کرنے لگے تو ان کے معاشرے کے لوگوں نے فوراً کہا کہ یہ جو کچھ کہہ رہاہے وہ جادو ہے اور اگر وحی آنی بھی تھی تو کسی بڑے شخص کے پاس کیوں نہ آئی یعنی وہ تعلیمات جو رسالتماب اپنے معاشرے کے لوگوں کو دے رہے تھے وہ ان کی نظر میں صحیح نہیں تھیں اس لئے ان تعلیمات کو جادو یا سحر کہا۔

ان آیات سے کسی طرح بھی جادو کو ثابت نہیں یا جا سکتا اور نہ ہی ماخوذ کیا جا سکتا ہے۔ کفار ان تعلیمات کو جو وحی کی بناء پر ان کو دی جارہی تھیں صاف الفاظ میں غلط اور جھوٹ پر مبنی سمجھتے تھے جسکی وجہ سے ان تعلیمات کو سحر کہتے تھے۔ انکی نظر میں جھوٹی تعلیمات کو دینے والا ساحر تھا اور جو بھی جھوٹی تعلیمات کے زیر اثر تھا وہ مسحور تھا۔

قرآن میں سحر انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بنیادی حروف بھی "س ح ر" ہیں اور انہی حروف سے ساحر اور مسحور کے الفاظ مشتق ہیں۔ آیئے اسی حوالے سے چند مزید آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سورۃ الصف کی آیت نمبر 6 میں ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ

پس جب وہ ان کے پاس بینات لے کر آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے حالانکہ وہ سلامتی کی طرف بلایا جائے۔

دیکھ لیجئے ان آیات میں بینات کی بات ہو رہی ہے جس کو آگے جھوٹ گھڑنے سے تعبیر کیا گیا۔ ان آیات میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم، کون ہوگا جس کو ایک ایسے ضابطہ حیات کی طرف جو سلامتی کا ضامن ہے دعوت دی گئی لیکن وہ اس وحی کو جھوٹ سے تعبیر کرتا ہے اور سحر کہہ کر رد کر دیتا ہے۔

ان آیات میں وحی کے لئے بینات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو رسول لے کر آیا ہے اور جسے سنتے ہی لوگ بول اٹھے کہ یہ تو جادو ہے۔ وحی الٰہی کو نہ تو رسول نے جادو بنا کر پیش کیا اور نہ ہی لوگوں نے جادو سمجھ کر سحر کہا بلکہ رسول کی ہر بات کو جھوٹ سمجھ کر رد کر دیا۔ رسالتماب نے کوئی جادو گری نہیں دکھائی صرف اور صرف وحی الٰہی کو پیش کیا۔ اس کے باوجود کبھی ان کو جادو گر کہا گیا تو کبھی سحر زدہ کہا گیا تو کبھی ان کی تعلیمات کو جادو کہا گیا۔

دوسرے انبیاء کے حوالے سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی انہوں نے تعلیمات پیش کیں تو انکی قوم کے مفاد پرست لوگوں کا یہی رد عمل تھا۔ سیدنا صالح کے حوالے سے سورۃ الشعراء کی آیت نمبر 153 میں ارشاد ہے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ

لوگوں نے کہا کہ تم تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہو۔

اور یہی جواب سیدنا شعیب کو ملا۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر 185 میں ارشاد ہے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ

تم تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہو۔

حالانکہ نہ تو سیدنا صالح نے اور نہ ہی سیدنا شعیب نے کوئی معجزہ دکھایا اور نہ ہی انہوں نے کوئی جادو گری دکھائی اور نہ ہی ان کے حوالے سے کوئی ایسی بات ملتی ہے جس میں ان پر جادہ کا اثر ہونا ثابت کیا جا سکے، اس کے باوجود انکی قوم نے ان پر سحر زدہ ہونے کا الزام لگایا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ مفاد پرست ٹولے نے ان پر جب بھی وحی الٰہی کو پیش کیا گیا تو اس کی تعلیمات کو کیا کہا؟ سورۃ النمل کی آیت نمبر 13 میں ارشاد ہوا۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ

پس جب بھی ان کے پاس ہماری بصیرت افروز آیات آئیں تو کہنے لگے کہ یہ تو واضح جادہ ہے۔

دیکھئے بڑے واضح طور پر یہاں آیات الٰہی کو کفار نے جادو سے تعبیر کیا ہے۔ یہ آیات کسی صورت بھی معجزات نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان آیات کو " **مبصرة** " کہا ہے۔" **مبصرة** " اسم الفاعل ہے اور مادہ "ب ص ر" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سمجھ و عقل کے لحاظ سے واضح ہونا ہے۔

اس زیر مطالعہ آیت میں " **مبصرة** " اسم الفاعل مؤنث کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ایسے بصیرت افروز دلائل جو عقل و شعور پر پورے اترتے ہیں اور سوچ سمجھ کے دریچے کھول دیتے ہیں۔ آیات مبصرُت معجزات نہیں ہوتے جو عقل کے کسی پیمانے پر پورے نہیں اترتے بلکہ عقل کو عاجز کر دیتے ہیں۔ آیئے آگے مزید مطالع کرتے ہیں۔ سورۃ سباء کی آیت نمبر 43 میں ارشاد باری تعالی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَذَا إِلا سِحْرٌ مُبِينٌ

اور جب کفار کے پاس الحق (اللہ کا کلام) آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صریح جادہ ہے۔

جب بھی کفار کے پاس الحق یعنی اللہ کا پیغام پہنچا تو انہوں نے فوراً اس کو جھوٹا کلام کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا اور اسے صریح جادہ کہا۔ سورۃ الاحقاف کی آیت نمبر 7 میں تو بڑے واضح الفاظ میں ان آیات بینات کی تلاوت کا ذکر ہے جس کے بعد کسی بھی مافوق البشری واقعے یعنی معجزہ یا جادوئی حادثے کی کوئی جگہ نہیں رہتی کیونکہ معجزہ کبھی بھی تلاوت نہیں کیا جاتا۔ ملاحظہ فرمائے سورہ الاحقاف کی آیت نمبر

إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کفار نے جب بھی ان کے پاس حق آیا، یہی کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

دیکھ لیجئے اس آیت کے سمجھنے کے بعد کسی بھی تاویل یا تطبیق کی گنجائش نہیں رہتی۔ جان لیجئے کہ کفار نے کسی مافوق الفطری واقعے کو سحر نہیں کہا بلکہ تعلیمات وحی کو سحر کہا ہے۔ کیونکہ کبھی کسی جادو کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے بلکہ وحی الٰہی کی تلاوت کی جاتی ہے جس کو ہر دور کے کفار نے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ان تعلیمات کا دینے والا ساحر یعنی جھوٹا ہے اور یہ تعلیمات جھوٹ یعنی سحر پر مبنی ہیں اور ان پر چلنے والے اس جھوٹ کے زیر اثر یعنی سحر زدہ ہیں۔

آیئے اب ایک اور جہت سے معجزانہ کیفیت کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا اس قسم کے حادثات قرآن کے شایان شان ہیں ؟ یا یہ کہ ہماری پست ذہنیت نے ان کو وہ مقام دے دیا ہے جس کی وجہ سے آج معجزات کی نفی کرنا بھی کفر کے مترادف ہو گیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر 7 میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلا سِحْرٌ مُبِينٌ

اور اگر ہم تم پر ایک کتاب جو اوراق میں ہوتی اور جس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے پھر بھی یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

یعنی اللہ کی یہ سنت نہیں ہے کہ وہ کوئی جادو گری دکھائے۔ ایسے واقعات و حادثات کا ہونا کوئی اعلیٰ یا ارفع بات نہیں ہے اور خالق کو معلوم ہے کہ اگر اس قسم کی بات کر بھی دی جائے تو لوگوں کو قابل قبول نہیں ہوتی اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ اگر خالق کوئی ایسی کتاب اتار بھی دے، جس کو لوگ چھو کر بھی دیکھ لیں، تو بھی لوگ اس کو صریح جادہ کہہ کر رد کر دیں گے۔ اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں

۱۔ ایسی مافوق الفطری جادوگری کو کفار یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ واضح جادہ ہے۔

۲۔ خالق کو اس بات کا علم ہے اس قسم کی مافوق الفطری حادثات کے ذریعے کسی نظریہ کی دعوت نہیں دی جاسکتی۔

۳۔ خالق کائنات کو معلوم ہے کہ اس طرح کے مافوق الفطری واقعات کے ذریعے کسی کو قائل نہیں کیا جاسکتا پھر اس نے اس قسم کے واقعات کو کیونکر رونما کیا اور ان کو معجزات کا مقدس پیرہن کیوں دیا؟

غور کرنے کی بات ہے کہ جس چیز کو جادو کہا جاتا ہے وہ وقوع پزیر ہو بھی جائے یعنی اگر کوئی شخص آسمانوں سے اڑتا ہوا زمین پر آبھی جائے تو بھی ایسے واقعے کو کس طرح حق ثابت کیا جاسکتا ہے؟ اس شخص کا پھر یہ دعویٰ کہ میں نبی ہوں اور تم کو میری بات ماننا ہوگی اور نہیں مانوں گے تو آخری حجت ہے اور تم پر عذاب نازل ہوگا، کس طرح کوئی ذی عقل قبول کرے گا۔ آج کے اس دور میں بھی جب تک آسمان میں اڑنے کی کوئی توجیہہ اور سبب نظر نہ آئے جادو ہی کہلائے گی۔ پھر بغیر کسی وجہ کے کوئی شخص کیونکر ایسی باتوں کو ایمان کے لئے وجہ قبولیت یا عذاب کے لئے وجہ انذار قبول کرے گا۔

اس کے علاوہ خالق کو پہلے سے ہی معلوم ہے کہ اس قسم کے واقعات عقل کی بنیاد پر فوراً ہی رد کر دئے جائیں گے۔ اگر غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت میں بھی لفظ سحر جادو کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ جھوٹ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت نمبر 14،15 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ O لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ

اگر کہ ہم ان پر آسمان سے دروازے کھول دیں کہ وہ اس میں عروج حاصل کریں وہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی بلکہ ہم پر جادہ کر دیا گیا تھا۔

اس آیت میں بھی ہر ایسی بات کی نفی ہے جو فطرت کے بر خلاف ہو جس کو لوگ فوراً ہی رد کر دیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ خالق نے اس کے باوجود کہ خلاف فطرت بات کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوتی، معجزات بھیجے تا کہ لوگوں کی عقل مار کر ان سے یہ بات قبول کروالی جائے جو وہ عقل کی بنیاد پر ماننے کو تیار نہیں ان کو ڈرا دھمکا کر بات منوالی جائے مانتے ہو تو ٹھیک۔۔۔ ورنہ۔۔۔ معجزات کے ذریعے تمہارا بیڑا اغرق کر دیا جائے گا۔

آیئے آگے کے صفحات میں قصہ موسیٰ کے حوالے سے ایک اہم بات قتل اولاد بھی ہے دیکھتے ہیں۔

قتل اولاد

بنی اسرائیل کی اولاد کا قتل ایک ایسی مشہور کہانی ہے جو ہر مولوی کی زبان پر جاری وساری ہے۔نہ صرف مولوی بلکہ مفکران قرآن کے دروس میں بھی اس کا ذکر خوب ملتاہے اور مدبران قرآن بھی اپنے تدبر کے نتیجے میں اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کروادیتا تھااور بیٹیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ آیئے ان مفکران اور مدبران قرآن کی باتوں کو قرآن سے دیکھتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہودی دیو مالائیت کو کس طرح قرآن کا منھ دیا گیاہے۔ اگر تو فرعون کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ ہر نومولود لڑکے کو جان سے مار دیتا تھاتو اسکو بیگار کے لئے غلام کہا ں سے ملتے تھے؟اور بنی اسرائیل کی نسل کس طرح چلی؟

اس طرح کے قصے ہر قوم میں مشہور ہوتے ہیں لیکن ان کی اصل حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ قصہ گو حضرات کورات گزارنے اور گلی کے نکڑ پر بیٹھ کر مجمع اکٹھا کرنے کے لئے ایک قصہ مل جاتاہے۔البتہ یہ ضرور دیکھا گیاہے کہ قوم کے ان افراد کو جو ابناء قوم ہوتے ہیں حاکمان وقت ضرور کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی ہر زمانے کا "فرعون " قوم کے ان مرد میدان کو جو وقت کا دھارا بدلنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور جن سے حاکمان وقت کو ڈر ہوتاہے اور جن کے ذریعے ایک انقلاب برپا ہو سکتاہے نظریاتی،عقلی،اور قوت کے لحاظ سے ناتواں ضرور کرنے کی کوشش کرتاہے۔آیئے قرآن سے دیکھتے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کا قتل کرواتا تھا یا یہ کہ بنی اسرائیل کے مرد میداں کوجنہیں ابناء قوم کہا جاسکتاہے،آگے نہ آنے دیتا تھا۔

سب سے پہلے ہم سورۃ الاعراف سے ابتداء کرتے ہیں سورۃالاعراف میں سیدنا موسیٰ کا قصہ آیت نمبر 103 سے شروع ہوتاہے اور ابتدائی ادوار کا ذکر کرنے کے بعد جس میں سیدنا موسیٰ کا فرعون سے مکالمہ اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو فرعون کے جادوگر کہا جاتا ہے مقابلے اور ان کی سرنگونی کا ذکر شامل ہے،جب وہ وقت آجاتاہے کہ فرعون کے لئے کوئی

لائحہ عمل باقی نہیں رہ جاتا سوائے اس کے کہ وہ بنی اسرائیل اور موسیٰ کے معاملے میں نرمی اختیار کرے۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر 127 میں فرعون کے سرداروں نے فرعون سے سوال کیا۔

وَقَالَ الْمَلأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ

فرعون کے قوم کے سرداروں نے پوچھا کیا تم موسیٰ اور اسکی قوم کو چھوڑ دو گے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور تم کو اور تمہارے الہ کو چھوڑ دیں؟ فرعون نے جواب میں کہا میں یقیناً ان کے بیٹوں کو قتل کروں گا اور انکی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دونگا اور ان پر اوپر سے عذاب نازل کرونگا۔ (عمومی ترجمہ)

اس عمومی ترجع میں بھی فرعون کا جواب دو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ابناء کا قتل

۲۔ نساء کو زندہ چھوڑنا

لیکن اس سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ یہ واقعہ کس وقت کا ہے؟ یعنی کیا سیدنا موسیٰ نومولود تھے ؟

جی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔!

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب موسیٰ نے فرعون کے دربار میں جرأت مندانہ مظاہرہ کرتے ہوئے فرعون کو چیلنج کیا تھا جس کی وجہ سے فرعون کے سرداروں کو ڈر تھا کہ موسیٰ اور انکی قوم کے لوگ زمین میں فساد کا باعث بن جائیں گے اور جو بعد کو باقاعدہ فرعون اور بنی اسرائیل کے درمیان تصادم کی شکل اختیار کرلے گا۔

یہ واقعہ سیدنا موسیٰ کی پیدائش کا قطعاً نہیں ہے۔دوبارہ عرض ہے۔۔۔۔۔۔۔یہ واقعہ سیدنا موسیٰ کی پیدائش کے وقت کا نہیں ہے ،بلکہ یہ اس وقت کا ہے جب سیدنا موسیٰ نے فرعون کے دربار میں اسے چیلنج کیا تھا۔

دوسری بات موسیٰ کے ساتھ اتنی قوت موجود تھی کہ وہ فرعون اور اس کے سرداروں سے نہ صرف جرأت مندانہ بات کرسکتے تھے بلکہ بنی اسرائیل کی اتنی قوت موسیٰ کے ساتھ تھی کہ سرداروں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ لوگ فساد برپا نہ کردیں۔

اس تجزیہ سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ یہ واقعہ موسیٰ کی پیدائش کے وقت کا قطعاً نہیں ہے۔ دوسری بات کہ فرعون نے موسیٰ کے قتل کا اعلان نہیں کیا بلکہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کا اعلان کیا تھا۔ آخر یہ بیٹوں کا قتل کیوں کروایا جارہا ہے ؟اور مفکران قرآن اور تدبران قرآن سے ہمارا سوال ہے کہ نومولود لڑکوں کے قتل سے فرعون کو کیا فائدہ پہنچے گا؟اگر وہ ان لڑکوں کو زندہ بھی چھوڑدے تو ایک عرصہ دراز چاہیئے انہیں جوان ہونے کو کہ وہ فرعون کے لئے خطرہ کا باعث بنیں۔

دیکھئے ہر قوم کے وہ افراد جو مرد میدان ہوتے ہیں ہمیشہ استحصالی طبقے کے خلاف خطرہ بنے رہتے ہیں اسی لئے حکمران ان ابناء قوم کو پسِ پشت کئے رکھتے ہیں اور ان افراد کی پشت پناہی کرتے ہیں جو حکمران طبقے کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہوتے۔ اس لئے ایسے کمزور ارادہ و اختیار لوگوں کو آگے لایا جاتا ہے جو ہمیشہ جی حضوری میں لگے رہتے ہیں۔

آیئے ایک مقام اور دیکھتے ہیں جہاں موسیٰ کی قوم کے افراد کا قتل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ سورۃ مومن کی آیت نمبر 25 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ

پس جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچا تو کہنے لگے ان ابناء کو قتل کرو جو اس کے ساتھ اہل ایمان ہیں اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو

ظاہر ہے یہ کلام اس وقت کا نہیں ہے جس وقت موسیٰ کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہ کلام تو اس وقت کا ہے جب کہ لوگ موسیٰ کے مؤقف سے متاثر ہو کر اہل ایمان ہوئے تھے۔ دوسری بات جیسے کہ سورۃ الاعراف کی آیات میں بھی ہم نے دیکھا کہ ان ابناء کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے جو اہل ایمان ہوئے تھے اگر اس کا ترجمہ اہل ایمان کے نومولود کو قتل کرنے کا کیا جائے تو سوال ہو گا کہ اہل ایمان کے بیٹوں کے قتل سے فرعون کو کیا فائدہ ؟ کوئی بھی قوم نومولود بچوں کو قتل کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اور نہ ہی نومولود بچوں سے کسی قسم کا خطرہ ہوتا ہے۔ اصل خطرہ تو اس قوم کے اولوا العظم ابناء قوم سے ہوتا ہے جن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ حاکم وقت کا تختہ الٹ دیں گے یا یہ کہ قوم کے مزاج میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

اسی طرح فرعون کو خطرہ تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے تھا نہ کہ نومولود بچوں سے۔ یہ کہانی بلا جواز ہے اور بے مقصد ہے جو قرآن کی تفاسیر میں ڈالی گئی ہے اور اس بات کی گواہی ہے کہ قرآن کی تفاسیر میں دوسرے مذاہب سے قصے مستعار لئے گئے ہیں۔

تیسری بات اس جگہ فرعون کا قول نقل نہیں ہوا ہے بلکہ اسکی قوم کے لوگوں نے کہا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی فرعون کا فیصلہ نہ تھا بلکہ فرعونی قوم کے لوگوں کا اعلان تھا جو ظاہر ہے قوم کے رویہ کا اظہار ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جیسے ہی بنی اسرائیل کے کسی گھر میں کوئی لڑکا پیدا ہوا اور لوگوں نے اس لڑکے کو قتل کر دیا۔ اس طرح گلی گلی اور گھر گھر قتل ہو جائے تو کمزور سے کمزور قوم بھی دو دن میں ظالم افراد کے خلاف کھڑی ہو جائے گی اور اکیلا آدمی بھی مرتا مر جائے گا اپنے بچے کی جان کی حفاظت میں اپنی جان بھی داؤ پر لگا دے گا۔

اسی سورۃ کی آیت نمبر 26 میں ارشاد ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الأَرْضِ الْفَسَادَ

اور فرعون نے کہا کہ مجھے مہلت دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پکارے مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا یا زمین میں فساد پیدا کرے گا۔

اس آیت میں واضح طور پر فرعون کی دھمکی ہے کہ وہ موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن کیا یہ وقت موسیٰ کی پیدائش کا ہے؟ جی نہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ نے اپنے مؤقف کو فرعون اور اسکی قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور اتنے لوگ ہم خیال ہو گئے تھے کہ فرعون اور اسکے مذہبی پیشواؤں کو اس تحریک سے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں ان کی حکمرانی ختم نہ ہو جائے اور ان کے ضابطہ حیات میں تبدیلی آجائے یا زمین میں فساد برپا ہو جائے۔

سورۃ الاعراف اور المومن کی ان آیات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہمارے اسلاف، علماء اور مذہبی پیشواؤں نے قرآن کا کتنا گہرا مطالع کیا ہے۔ اور ہماری تفاسیر میں کہاں تک یہودیت بھر دی گئی ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ آج بھی وہ علماء جو اپنے آپ کو مفکر قرآن اور مدبر قرآن کہلوانا پیدائشی حق سمجھتے ہیں قرآن میں ایسی لغو کہانیاں ڈال کر اپنی بات کی تائید میں دوسرے مذاہب کی کتابوں کے حوالے دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

آیئے آپ کی خدمت میں بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل سے متعلق باقی آیات بھی پیش کرتے ہیں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 49 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی کہ وہ تم کو شدید تکلیف میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے

دیکھ لیجئے کہ بنی اسرائیل کو کس سے نجات ملی ہے اور وہ کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں بڑے واضح طور پر بتا دیا گیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون سے نہیں بلکہ آل فرعون سے نجات ملی جو انتہائی تکلیف دہ عذاب میں بنی اسرائیل کو مبتلا رکھتے تھے۔ آل فرعون کی اسی حرکت کو سورۃ ابراھیم کی آیت نمبر 6 میں انہی الفاظ میں ایک مرتبہ پھر بتایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ

جب اس نے تم کو آل فرعون سے نجات دلائی جو تم کو انتہائی برے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔

دیکھ لیجئے یہاں بھی بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا عمل آل فرعون کی طرف منسوب ہے، جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فرعونی قوم کو جب کسی لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی تو وہ بھاگے بھاگے جاتے تھے اور لڑکے کو پکڑتے تھے اور ذبح کر ڈالتے تھے۔

یاد رکھئے بنی اسرائیل کے بیٹوں سے مراد بنی اسرائیل کے وہ سپوت ہیں جن سے فرعونی قوم کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ ایسے افراد کو جنہیں ابناء قوم کہا جاتا ہے پنپنے اور پھلنے پھولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور ایسے کمزور ارادہ افراد جو حکومت وقت کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں اور ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں جن میں کوئی جوہر نہیں ہوتا مراعات سے نوازا جاتا تھا ایسے لوگوں کو نساء قوم کی اصطلاح سے نوازا گیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہماری مذہبی کتب کی زینت میں موسیٰ کا دیومالائی قصہ اتنے غلط انداز سے بیان ہوا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ کو دریا میں بہا دیا گیا تھا اور وہ بہتے بہتے

فرعون کے محل کے قریب سے گزرے تو فرعون کی بیوی نے اٹھالیالیکن حیرت ہے کہ اس واقعہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ آیئے سورۃ القصص کی آیت نمبر8 دیکھتے ہیں جہاں یہ تحریف کی گئی ہے۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا"

پس آل فرعون نے اس کو اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے باعث دشمنی اور ملال بن جائے

دیکھئے یہاں بھی آل فرعون نے موسیٰ کو دریافت کیا ہے نہ کر فرعون یا اسکی بیوی نے۔ یہاں ایک بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ موسیٰ کا اٹھانا اٰل فرعون کے لئے باعث حزن اور دشمنی تھا۔

کیاایک نومولود کسی قوم کے لئے باعث حزن اور دشمنی بن سکتاہے؟

اور اگر یہ قدرت کی تدبیر تھی تو تمام کا تمام الہی نظام ایک نوٹنکی کا تصور دیتاہے اور ہم سب بغیر ارادہ و اختیار لکڑی کے پتلوں کی طرح کام کررہے ہیں اس لئے کسی طرح کا حساب کتاب اور جزاءوسزاء کا تصور نہیں۔۔۔۔۔۔۔

یقیناً ہر عمل کا ذمہ دار خود انسان ہے یہ دنیا کوئی ڈرامہ نہیں۔ اٰل فرعون نے جب موسیٰ کو اٹھایا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہون نے دریا سے اٹھایا تھا بلکہ بنی اسرائیل سے اس شخص کو اٹھایا تھا جو اٰل فرعون کے خلاف ایک انقلابی شخصیت تھے اور ان کے لئے مصیبت بن گئے تھے۔

ان تمام مقامات کے مطالعہ کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ وہ دیو مالائی داستان جو ہمارے اسلاف نے یہودیت سے مستعار لی ہے قرآن سے ثابت نہیں ہے۔

قول فیصل

یہاں بہت مناسب ہو گا کہ قتل اولاد سے متعلق حتمی آیت آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔ ہم کو تو آج تک یہی سمجھایا جاتا رہا ہے کہ قتل اولاد خواہ فرعون نے کیا ہو یا زمانہ جاہلیہ میں عربوں نے کیا ہو اصلاً گردن اڑا دینے کے معنوں میں ہی قرآن میں مذکور ہے۔ اور قربان جایئے مفسرین کے کہ انہوں نے بھی قتل اولاد کا مفہوم یہی بیان کیا ہے سورۃ الانعام کی آیت نمبر 151 کا مفہوم بھی یہی لیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

اور اولاد کو قتل نہ کرو ناداری کی وجہ سے ہم ہی تم کو اور انکو رزق دیتے ہیں۔

یہاں قتل اولاد سے متعلق واضح حکم ہے کہ تم اولاد کا قتل کسی ناداری کی بناء پر نہ کرو اور تفاسیر میں اس سے مراد اولاد کا جسمانی قتل مراد لیا جاتا ہے۔ حالانکہ چند آیات پہلے اسی سورۃ کی آیت نمبر 137 میں واضح الفاظ میں بتایا گیا تھا کہ قتل اولاد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائے۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ

اس طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کا قتل انکو مزین کرکے دکھایا تاکہ انکو برباد کریں اور انکے دین کو ان کے لئے مشکوک بنا دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان لوگوں سے اور ان کے جھوٹ سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

دیکھ لیجئے کہ قرآن کسی کو بھی جان سے مار دینے کی بات نہیں کر رہا ہے بلکہ قتل اولاد یہ ہے کہ اولاد پر ان کے دین یعنی احکامات الٰہی کے مطابق ضابطہ حیات کو ہی مشکوک کر دیا جائے۔ آج ہماری مذہبی پیشوائیت نے ہمارے لئے قرآن کو کتنا مشکوک بنا دیا ہے خود اندازہ لگایئے۔

آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہر فرقے کا دین دوسرے فرقے کے دین سے مختلف ہے اور کوئی شخص اپنے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا دین قرآن سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہی قتل اولاد ہے جو آج بھی ہماری مذہبی پیشوائیت ہمارے ابناء قوم کے ساتھ کر رہی ہے اور یہ وہ قتل اولاد تھا جو فرعون اور آل فرعون بنی اسرائیل کے ابناء قوم کا کیا کرتے تھا۔

قوم کے مرد میداں ابناء کو بزدل اور خوشامدی بنانا اور مردانگی کے جوہر سے محروم کرنا قتل اولاد ہے تاکہ ان کو معلوم ہی نہ ہو کہ اصل ضابطہ حیات کیا ہے۔

عصاء موسیٰ

معجزات موسیٰ پر تحقیق کرنے سے پہلے یہ متعین کرنا بہت ضروری ہے کہ جو بھی واقعات معجزات کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں آیا وہ واقعی حقیقتاً ایسے ہی واقع ہوئے تھے یا یہ کہ ان کا ذکر تشبیہ کے طور پر ہوا ہے۔ مثلاً جب ہم اپنے بیٹے کو کہتے ہیں میرا بیٹا تو ایسا ہے "**جیسے**" چاند تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہوتی کہ لفظ "**جیسے**" کی وجہ سے چاند کو تشبیہ نہ مانا جائے۔ لیکن اگر اس جملے کو اس طرح لیا جائے " میرا بیٹا چاند ہے" تو کچھ کم فہم لوگ اس بنیاد پر کہ اس جملے میں چاند حرف تشبیہ کے ساتھ استعمال نہیں ہوا ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ بیٹا معجزاتی طور پر چاند میں بدل گیا ہو گا۔ جو یقیناً علم و ادب سے لاعلمی کی بنیاد پر ہی ہو گا۔ لیکن اہل علم و ادب اور اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کبھی چاند کی شکل نہیں اختیار کر سکتا۔

یہی اسلوب قرآن میں بار ہا مقامات پر ملتا ہے۔ کسی جگہ اگر حرف تشبیہ موجود ہے تو دوسری جگہ وہی بات حرف تشبیہ کے بغیر واضح ہو جاتی ہے۔ معجزات موسیٰ کے حوالے سے بھی ہم جب عصاء سے متعلق آیات کا مطالع کرتے ہیں تو یہی اسلوب پاتے ہیں کہیں تو عصاء کے بارے میں کہا گیا" **كانها جآن**" جیسے کہ سانپ ہو یعنی عصاء کی کیفیت ایسی تھی جیسے سانپ ہو۔ یہاں سے عصاء کی حقیقتاً تبدیلی کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے، اور کہیں حرف تشبیہ کے بغیر بیان ہوا ہے۔

عصاءِ موسیٰ کا مطالعہ ہمیں بڑی تفصیل سے سورہ طٰہ میں ملتا ہے اس لئے اسی سورۃ سے آغاز کرتے ہیں۔ سورۃ طہ کی آیت نمبر 17 میں وحی الٰہی ملنے کے بعد ارشاد ہوا۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ

موسیٰ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

عمومی تراجم میں **یمینک** کا ترجمہ سیدھا ہاتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن سیدھے ہاتھ کی عربی ہو گی۔ "**ید یمنی**" لفظ "**یمین** " کا مادہ "ی م ن "ہے جس کے معنی سعادت کے ہیں کیونکہ سیدھا ہاتھ مذہب میں مبارک سمجھا جاتا ہے اس لئے سیدھے ہاتھ کو ذہن میں رکھ کر لفظ " **یمینک** " کا ترجمہ سیدھا ہاتھ کیا گیا۔ حالانکہ "**یمینک**" میں ہاتھ کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ اگر بفرض محال "ید" کو محذوف مان لیں تو بھی **ید یمینک** میں سیدھے ہاتھ کا مفہوم نہیں داخل کیا جا سکتا کیونکہ اگر **ید** کو موصوف اور **یمینک** کو صفت سمجھ کر **ید یمینک** کو مرکب توصیفی قرار دیں تو یہ قوائد کے لحاظ سے غلط ہو گا۔ کیونکہ مرکب توصیفی **ید یمنی** (سیدھا ہاتھ) بنے گا اور اگر کہنا ہو تمہارا سیدھا ہاتھ یعنی ضمیر "ک" کی اضافت ہو تو مرکب اضافی ہو گا "**یدک الیمنی**" تمہارا سیدھا ہاتھ۔

دوسری بات اگر قوائد کی تمام غلطیوں کو نظر انداز کر کے بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ "**یمینک**" کے معنی تیرا سیدھا ہاتھ ہے تو بھی اس مرکب میں حرف "فی" استعمال نہیں ہوا۔ یعنی فی **یمینک** تیرے ہاتھ میں نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ حرف "ب" استعمال ہوا ہے " **بیمینک** " تیرے سیدھے ہاتھ کے ساتھ یا تیرے سیدھے ہاتھ کے ذریعے۔

تیسری بات۔ یمین کا مادہ "ی م ن" ہے اور یمین فعیل کے وزن پر ہے۔ اس وزن پر ق د ر سے قدیر، ن ع م سے نعیم ،ع ل م سے علیم کے الفاظ آتے ہیں۔ فعیل کے وزن پر بنے الفاظ میں اس بنیادی مادہ کی صفات کا ہونا پایا جاتا ہے۔ یعنی علیم وہ شخص ہے جو علم کی صفات رکھتا ہو قدیر وہ شخص ہے جو قدر کی صفت سے مالا مال ہو۔ نذیر وہ شخص ہے جو پیش آگاہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس لئے "یمین" اس کیفیت یا شخصیت کا نام ہے جس میں سعادت کی صفات اور صلاحیت سے بھرپور انداز سے موجود ہوں۔ اس لئے " **وما تلک بیمینک** " ایک سوال ہے جو

موسیٰ سے ان کے یمن و سعادت کے حوالے سے کیا گیا ہے۔اس کا ترجمع ہو گا " وہ تمہاری سعادت کے ساتھ کیا ہے"

موسی انسانی حقوق کے علمبر دار تھے ان کا تصور فرعون کے غاصبانہ تصور سے مختلف تھا اس لئے موسیٰ جب بنی اسرائیل کے حقوق کے لئے اٹھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ تم جن بنیادوں پر اٹھے ہو اس میں سعادت کا کیا پہلو ہے؟ جس پر موسیٰ نے اپنی تعلیمات کا تصور پیش کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے جس کے ذریعے میں اپنی قوم کے لوگوں کو یکجا کر تا ہوں اور دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔

کیا معجزات دو تھے؟

بڑے صاف الفاظ میں سن لیجئے کہ اگر آیت کا ترجمہ معجزہ کیا جائے جیسا کہ تراجم و تفاسیر اور تشریحات میں اسلاف نے کیا ہے تو

ا۔ یہ معجزات نہ صرف دو سے زیادہ تھے بلکہ عصاء اور ید بیضاء سے بڑھ کر تھے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى

تاکہ ہم تم کو اپنی عظیم آیات دکھائیں سمجھائیں۔

اس آیت میں لفظ "آیات" آیا ہے جو جمع یعنی تین یا تین سے زیادہ آیات کے لئے آتا ہے۔

۲۔ دوسری بات کہ کئی جگہ موسیٰ کو صرف ایک آیت کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا گیا اور فرعون نے بھی صرف ایک آیت کا ہی مطالبہ کیا۔

قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

کہا، اگر تو تم کوئی آیت لائے اور سچوں میں سے ہو تو اسے پیش کرو۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر 106)

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 105 میں ارشاد ہے،

دْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یقیناً میں تمہارے رب کے پاس سے ایک آیت (معجزہ) لے کر آیا ہوں کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔

آیت کے اس عمومی ترجمع میں اگر آیت کا ترجمع معجزہ ہی کر لیا جائے تو بھی دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ رب کے پاس سے صرف ایک ہی آیت یا معجزہ لے کر آئے ہیں اور اس آیت

سے واضح ہو رہاہے۔ کہ یہاں آیت بمعنی حکم ہے نہ کہ معجزہ کیونکہ اس آیت کے تحت صرف ایک ہی حکم مل رہاہے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دو۔ اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ موسیٰ جو کچھ بھی لے کر آئے تھے وہ نہ تو دو تھے اور نہ ہی دو سے زیادہ۔ اگر دو سے زیادہ ہوتے تو تثنیہ یا جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہوتا۔ "بینة" واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ اگلی آیت کے مطالع سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ موسیٰ نہ صرف ایک آیت کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ فرعون بھی صرف ایک ہی آیت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور ایک آیت سے کیا مقصود ہے۔ موسیٰ کے اعلان پر اس نے صرف ایک آیت کا مطالبہ کیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

اگر تو کوئی آیت لایا ہے تو اس کو پیش کر اگر کہ تو سچوں میں سے ہے۔

فرعون نے بھی جواب میں بہت ساری آیات کی بجائے صرف ایک "آیت" کا مطالبہ کیا ہے۔ جس کے جواب میں موسی نے عصاء اور ید بیضاء پیش کئے۔ یہ بات بڑی عجیب سی لگے گی کہ موسیٰ خود بھی ایک ہی آیت لیکر آئے اور فرعون بھی اسی ایک آیت کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن پیش جو کچھ کیا گیا وہ دو چیزیں ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ٥ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ

پس اس نے اپنے عصاء کو پیش کیا تو فوراً وہ واضح اژدھا ہو گیا اور اس نے اپنے ہاتھ کو کھینچا تو اہل نظر کے لئے وہ سفید ہو گیا۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر 108)

دیکھ لیجئے فرعون کے مطالبے پر ایک تو عصاء پیش کیا گیا اور دوسرا ید بیضاء۔ اس لئے موسیٰ جس حکم کو لے کر آئے تھے وہ تو اصلاً ایک ہی تھا لیکن اس کے دو پہلو تھے ایک تھا انقلابی نظریہ جس میں عصاء کو "حیۃ تسعی" بھی کہا گیا اور دوسرا ایسی طاقت کا تعمیری پہلو جسے صرف اہل

نظر ہی پہچان سکے یعنی موسیٰ کی تعلیمات کے ذریعے ایک ایسی طاقت کا وجود میں آنا جو انتہائی جدوجہد کے ساتھ حیات آفرینی کا پہلو لئے ہوئے تھی۔ اور نتیجتاً ایک ایسی قوت کا وجود جو کہ اہل نظر نے دیکھ لیا جس میں کوئی برائی کوئی خرابی نہ تھی جو صاف شفاف بے داغ تھی جسے ید بیضاء کہا گیا۔

۲۔ دوسری بات کہ عصاء جب ثعبان میں تبدیل ہوتا ہے تو اس کی خاصیت مبین بتائی گئی ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو خود بھی واضح ہو اور دوسری چیز کو بھی واضح کرے "بین" کا مادہ "ب ی ن" ہے اور باب افعال سے اسم الفاعل کے وزن پر ہے یعنی مبین ایسی چیز ہو سکتی ہے جو خود بھی واضح ہو اور دوسروں کو بھی واضح کرے۔

سب سے پہلے جب خالق سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو موسیٰ سے اپنے عصاء کو پیش کرنے کے لئے کہا گیا۔ جب موسیٰ نے اسے پیش کیا تو اس کی کیفیت کو سورۃ طہٰ میں حیۃ تسعی یعنی ایسی حیات آفرینی جس کے لئے سعی وجہد کرنا پڑتی ہے۔ بیان کیا گیا سورۃ النمل اور القصص میں اسی عصاء کی کیفیت کو جآن کہ کیفیت سے تعبیر کیا گیا۔ موسیٰ نے خود اس عصاء میں جدوجہد کو دیکھا۔ اور جب چشم تصور سے اس جدوجہد کے نتیجے میں اہل ایمان اور اہل کفار کا تصادم نظر آیا تو خود خوف زدہ ہوئے۔

آیئے اب وہ مقامات بھی دیکھ لیں جہاں عصاء کی کیفیت کو ثعبان مبین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں مقامات فرعون کے دربار میں عصاء کو پیش کرنے کے حوالے سے سامنے آ رہے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 107 اور سورۃ الشعراء کی آیت نمبر 32 میں وارد ہوئے ہیں۔

سورۃ الاعراف میں فرعون کے مطالبے پر کہ اگر کوئی حکم لائے ہو تو پیش کرو تو موسیٰ نے عصاء اور ید بیضاء کو پیش کیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ O وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ O

پس موسی نے اپنے عصاء کو پیش کیا تو وہ فوراً واضح اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو اہل نظر کے لئے سفید تھا

(سورۃ الاعراف آیت نمبر 17-18)

اور سورۃ الشعراء کی آیت نمبر 32 اور 33 میں بھی فرعون کے مطالبے پر عصاء اور ید بیضاء پیش کیا گیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

پس موسیٰ نے اپنے عصاء کو پیش کیا تو وہ فوراً واضح اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو اہل نظر کے لئے سفید تھا۔

دیکھ لیجئے وہی عصاء جو موسیٰ کے لئے حیۃ تسعی اور جآن تھا جب فرعون نے اس کا مشاہدہ کیا تو اسے ثعبان مبین نظر آیا۔

ثعبان اژدھے کو بھی کہتے ہیں اس کا مادہ "ث ع ب" ہے جس میں کثرت سے خون بہنے کی کیفیت ہوتی ہے ایسی خون ریزی جس میں ظلم و استبداد شامل ہو۔ فعلان کے وزن پر ثعبان ہے جس میں مبالغے کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء کی ان آیات میں اس وقت کا بیان ہے جب فرعون کے مطالبے پر سیدنا موسیٰ نے الٰہی تعلیمات سے مزین احکامات پیش کئے تو فرعون کو اس میں ظلم و استبداد کے خلاف جدوجہد نظر آئی اسے اپنا مستقبل خطرہ میں پڑتا نظر آیا۔ اسے اپنی استحصالی سلطنت گرتی نظر آئی اس نے اس میں انسانوں کا تصادم محسوس کیا۔ اس لئے اسے موسیٰ کی پیش کردہ تعلیمات ایسے اژدھے کی مانند نظر آئیں جو نہ صرف انتہائی خونریزی کا باعث بنتیں بلکہ ان کو انکے ملک سے نکالنے اور دین کی تبدیلی کا باعث بھی ہوتیں اسی لئے فرعون نے اسے ثعبان مبین پایا۔

عصاء دربار فرعون میں

آیئے اب عصاء سے متعلق دوسرے مقامات کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ سورۃ طٰہٰ میں دیکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ کو جب فرعون کی طرف بھیجا تو تمام کا تمام واقعہ کسی عصاء سے متعلق نہ تھا۔ بلکہ سیدنا موسیٰ نے جو مکالمہ فرعون سے کیا اس کا بیان ہے اور جو کچھ سیدنا موسیٰ نے پیش کیا وہ سورۃ طٰہٰ کی آیات 47 سے لیکر 58 تک بیان ہوئی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

فَأْتِيَاهُ فَقُولا إِنَّا رَسُولا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى O إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى O قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَى O قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى O قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الأُولَى O قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لا يَضِلُّ رَبِّي وَلا يَنْسَى O الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى O كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لأُولِي النُّهَى O مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى O وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى O قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى O فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى O

پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ "ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ کر۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تیرے رب کی طرف سے ایک آیت لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس پر ہے جس نے ھدایت کی پیروی کی۔ ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ

عذاب میں تو وہی مبتلا ہوا جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔" فرعون نے پوچھا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جواب دیا ہمارارب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا خلق عطا کیا پھر ھدایت بخشی۔ فرعون نے سوال کیا کہ پہلے کی قوموں کا کیا حال ہوا۔ جواب دیا ان کا علم میرے پروردگار کے نزدیک ایک قانون کے مطابق ہے۔ وہ نہ تو گم ہوا کرتا ہے اور نہ ہی بھاگتا ہے وہ جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اسمیں تمہارے راستے چلادئے اور بلندیوں سے اس پانی کو نازل کیا جس سے انواع و اقسام کی مختلف نباتات نکالین کہ تم بھی فیضیاب ہو اور تمہارے چوپائے بھی یقیناً ان میں عقل والوں کے لئے آیات ہیں اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں سے اعادہ کریں گے۔ اور اسی میں سے ایک مرتبہ اور نکالیں گیں۔ اور حقیقتاً ہم نے فرعون کو تمام کی تمام آیات دکھائیں پس اس نے جھٹلایا اور انکار کیا اور کہا اے موسی تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ تو ہم بھی تمہارے مقابلے پر ایسا ہی جادو لائیں گے تو ہمارے اور اپنے درمیان برابری کی حیثیت سے وعدہ کرلو کہ جس کی نہ تو ہم خلاف ورزی کریں گے اور نہ ہی تم۔

یہ ان آیات کا سادہ سا ترجمہ ہے جن آیات میں موسی اور فرعون کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا بیان ہوا ہے۔ اسی مکالمے کو دوسرے مقامات پر عصاء کہا گیا ہے۔ آیئے سورۃ الاعراف آیت نمبر 103-108 کا مطالعہ کرتے ہیں ارشاد باری تعالی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ Oوَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ Oحَقِيقٌ عَلَى أَنْ لا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ Oقَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

Oفَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ Oوَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَO

ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مقرر کیا تو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم کیا تو دیکھو فسادیوں کا کیا انجام ہوا۔ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ مجھ پر لازم ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں وہ حق ہی کہوں۔ یقیناً میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک حکم لے کر آیا ہوں پس بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چلنے دے۔ فرعون نے کہا اگر تم کوئی حکم لے کر آئے ہو تو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ پس موسیٰ نے اپنا عصاء پیش کیا تو وہ فوراً واضح اژدھا ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اہل نظر کے لئے سفید تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ سورۃ طہٰ میں جو مکالمات موسیٰ اور فرعون کے درمیان بیان ہوئے ہیں وہ سورۃ الاعراف میں بیان نہیں ہوئے بلکہ فرعون کے طلب کرنے پر موسیٰ نے عصاء کو پیش کیا۔ جس کا مطلب ہے کہ جو دلائل موسیٰ نے سورۃ طہٰ میں پیش کئے تھے انہی کو سورۃ الاعراف میں " **ثعبان مبین** " سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس اژدھے کے لئے مبین کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں وہ جو خود بھی واضح ہو اور دوسروں کو بھی واضح کرے۔ سورۃ یونس کی آیات 75 سے 78 تک میں اسی واقعہ کو الحق کے آنے سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ Oفَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ Oقَالَ مُوسَى أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ O قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ O

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مقرر کیا۔ تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے پس جب ان کے پاس ہمارے پاس سے الحق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو واضح جادو (جھوٹ) ہے۔ موسیٰ نے ان سے کہا" کیا تم الحق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو" کیا یہ سحر ہے؟" جادو گر فلاح نہیں پایا کرتے۔ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جن پر ہم نے اپنے پیشواؤں کو پایا ہے اس سے ہم کو پھیر دو اور تمہارے لئے کبریائی ہو جائے پس ہم تمہارے لئے اہل ایمان ہونے والے نہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سورۃ الاعراف میں جس کو عصاء کہا گیا وہ سورۃ یونس میں بطور دلائل بیان ہوئے اور یہی دلائل سیدنا موسیٰ نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کئے اور جس کو قرآن نے الحق کی اصطلاح سے واضح کر دیا کہ یہ وہی آیات الٰہی تھیں جن کو لے کر موسیٰ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس گئے تھے۔

سورۃ النمل کی آیت نمبر 13 میں انہی آیات کے متعلق ارشاد فرمایا۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ

پس جب ان کے پاس ہماری بابصیرت آیات آئیں تو بولے یہ تو صریح جادو ہے۔

اسی آیت میں ان آیات کو جن کو لے کر موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے مبصرۃ کہا گیا ہے۔ مبصر کا مادہ "ب ص ر" ہے جس کے معنی بصیرت یعنی سمجھ بوجھ سے کسی بات کی تہہ تک پہنچنا ہوتے ہیں وہ لوگ جو عقل کی گہرائی اور سمجھ بوجھ سے بات کرتے ہیں بابصیرت ہوتے ہیں وہ خود بھی ہر معاملے کو وضاحت سے سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی بصیرت کی بنیاد پر واضح کرتے ہیں۔ یقیناً ایک لاٹھی جو سانپ میں بدل جائے مبصر نہیں ہو سکتی۔ نہ تو لاٹھی کسی دلیل کو پیش کر

سکتی ہے اور نہ ہی اس ماہیت کی تبدیلی یعنی سانپ میں تبدیل ہونا کسی طرح کی عقلی و علمی دلیل بن سکتی ہے قرآن نے وحی الٰہی کے دلائل کو بصائر کہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ

حقیقتاً تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصائر آ چکے پس جس نے خود کو روشن کیا تو اپنے لئے۔ اور جو اندھا کیا گیا تو اپنے ہی خلاف اندھا ہوا۔

(سورۃ الانعام آیت نمبر 104)

سورۃ القصص کی آیت نمبر 32 میں اسی دلیل کو برھان کہا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ

پس یہ دونوں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے لئے دو دلائل ہیں یقیناً یہ لوگ نافرمان لوگ ہیں۔

دلائل کو برھان کہا جاتا ہے۔ وہ علمی اور عقلی دلیل جو دوسرے کی ہر دلیل کو کاٹ دے برھان ہوتی ہے۔ وحی الٰہی کو سورۃ النساء کی آیت نمبر 174 میں برھان کہا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ

اے لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برھان آ چکی

اس بات کو جان لینے کے بعد کہ موسیٰ نے جو کچھ رب کے سامنے پیش کیا وہ عصاء تھا اور وحی الٰہی سے مزین ہونے کے بعد جو عصاء فرعون کے سامنے پیش کیا وہ وحی الٰہی کی برھان تھی اور بصیرت افروز آیات تھیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ جب یہی آیات ان لوگوں کے سامنے جن کو جادو گر کہا گیا پیش کی گئیں تو ان کا کیا رد عمل ہوا۔ سورۃ طہ میں اس واقعہ کا آغاز آیت نمبر 60 سے شروع ہوتا ہے جب کہ فرعون نے اپنے جادو گروں کو جمع کیا تو موسی نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کیا کہا۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَى وَيْلَكُمْ لا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَى○فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ○

موسی نے ان لوگوں سے کہا کہ تمہاری بربادی ہے تم پروردگار پر جھوٹ مت گھڑو کہ تم کو عذاب سے برباد کر دے۔اور وہ ناکام ہوا جس نے جھوٹ گڑھا۔ تو وہ آپس میں اپنے معاملات میں جھگڑنے لگے اور چھپ کر سر گوشی کرنے لگے۔

دیکھ لیجئے کس بات پر ان لوگوں کو بلایا گیا تھا اور بحث و مباحثہ میں کیا بات بنیادی طور پر لائی گئی تھی۔ایک طرف موسیٰ الحق یعنی وحی الہٰی کو پیش کر رہے تھے جن کے ذریعے بنی اسرائیل کو حقوق دلائے جانے تھے جس کو قرآن نے برھان اور بصائر سے تعبیر کیا اور دوسری طرف جھوٹ پر مبنی بنی اسرائیل کو غلامی میں جکڑنے کے قوانین اور انکے دلائل تھے۔

بنیادی طور پر احکامات الہی کے خلاف جو کچھ بھی پیش کیا جاتا ہے وہ جھوٹ ہوتا ہے۔ جھوٹ کبھی سانپ یا لاٹھی کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جھوٹ کو ختم کرنا ہو تو اس کے خلاف دلائل لائے جاتے ہیں۔سورۃ الاعراف میں اسی عصاء کو جب پیش کیا گیا تو وہ ان لوگوں کے جھوٹ اس طرح چٹ کر گیا جیسے اژدھا چھوٹے چھوٹے سانپوں کو کھا جاتا ہے۔ملاحظہ فرمایئے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 117 اور 118

وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ○فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم اپنا عصاء پیش کرو تو وہ فوراً ہی اس کو تلپٹ کرنے لگا جو جھوٹ گھڑ رہے تھے پس الحق واقع ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے باطل قرار پایا۔

اصلاً موسیٰ کی داستان جھوٹ اور سچ کی داستان ہے حق و باطل کا تصادم ہے۔ آزادی اور غلامی کی کشمکش ہے جسے دیومالائی رنگ دے کر ایک بے فائدہ، بے عمل اور بے نتیجہ کہانی بنا کر رکھ دیا ہے اور حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ جدید علماء جو اپنے آپ کو دانش و بینش کا منبہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے ایسی بے مقصد کہانیوں میں آج تک پھنسے ہوئے ہیں۔ ان دونوں مقامات یعنی سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء میں اسی عصاء کے لئے ایک لفظ " ثعبان مبین" استعمال ہوا ہے جس کے لئے سورۃ طہٰ میں " **حیة تسعی**" اور سورۃ النمل اور القصص میں " جآن" کے الفاظ آئے ہیں۔

ذرا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ عصاء کے لئے سورۃ طہٰ میں " **حیة تسعی**" اور النمل اور القصص میں "جآن" کے الفاظ موسیٰ کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔ یعنی جب اللہ نے مطالبہ کیا کہ عصاء کو پیش کرو تو موسیٰ عصاء کو پیش کرنے کے بعد خود ہی ڈر بھی گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ "**حیة تسعی**" اور "جآن" کے الفاظ موسیٰ کی ذہنی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے جب اسکو حقیقی معنوں میں دیکھا تو اس تصادم کی کیفیت سے خود ہی ڈر گئے جو آخر انجام کار ہونا ہی تھا۔

سورۃ النمل میں بھی جب عصاء کو پیش کیا تو اس کو لہراتا دیکھ کر مڑے اور ہرگز نہ پیچھے دیکھا۔ جس پر کہا گیا اے موسیٰ تو خوف نہ کر، ہمارے حضور رسول گھبرایا نہیں کرتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب عصاء "جآن" کی کیفیت میں تبدیل ہوا تو موسیٰ اسے دیکھ کر گھبرائے لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے میرے حضور رسول گھبرایا نہیں کرتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ "جآن" کی کیفیت کو اللہ نے اپنے حضوری سے تعبیر کیا ہے؟

اصلاً یہ اس وقت کا بیان ہے جب اللہ اور اسکے رسول کے درمیان وحی کے نزول کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب رسول اپنے خالق سے پہلی وحی وصول کرتا ہے اور اسی کیفیت سے ہر وہ شخص جو قرآن کے رموز کو پہلی بار سمجھتا ہے جس میں جوش وولولہ اور تصادم نظر آتا ہے لیکن اس سیرت کا دوسرا پہلو امن وسکون سے ہنستا بستا ایک خوشحال معاشرہ ہوتا ہے۔

عصاء کی کیفیت کو موسیٰ کے حوالے سے دو جہتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک جہت ہے "حیۃ" یعنی حیات آفرینی کی اور دوسری "جآن" یعنی چھپی صلاحیت کی۔

ید بیضاء

اسی طرح دوسرا دیو مالائی واقعہ یا حادثہ "ید" کا ہے۔ " ید " کے معنی ہاتھ کے ہوتے ہیں۔ لیکن "ید" کا استعمال طاقت کے لئے بھی ہوتا ہے مثلاً سورۃ الذٰریت میں اللہ نے اپنے لئے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ "والسمآء بنینھا بایدٍ "اور آسمان کو ہم نے ہاتھ سے بنایا" یقینی طور پر اللہ یا اسکی مملکت کے جسم یا اس کے اعضاء کا تصور قرآن کا تصور نہیں ہے اس لئے اللہ یا اس کی مملکت کے لئے ہاتھ کا تصور نہیں لیا جا سکتا بلکہ اس کی طاقت کا تصور سامنے آتا ہے۔

اسی طرح سورۃ ص کی آیت نمبر 75 میں بھی "لما خلقت بیدی "اس چیز کو کہ جس کو میرے ہاتھ نے تخلیق کیا۔۔۔ اللہ کے ہاتھ کا تصور بطور جسمانی اعضاء کے غلط ہو گا۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر 45 میں انبیاء کا ذکر کر کے ان کے لئے کہا گیا۔

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ

"اولی الایدی" طاقت والے یہاں ہاتھ کا مفہوم نہایت ناقص ہو گا کہ ہر انسان کے ہاتھ ہوتے ہیں اس لئے اگر انبیاء ہاتھ والے تھے تو کون سا خاصہ تھا جس کی وجہ سے ان کا قرآن میں ذکر لایا گیا۔ یقیناً یہاں "ید" کا مفہوم استعداد، صلاحیت اور قوت کے معنوں میں لیا جائے گا۔

آیئے اب دوسرے مقام کا بھی مطالع کر لیں سورۃ الشعرا کی آیات 32 سے 33 میں عصاء اور ید بیضاء کا ذکر ہے۔ فرعون کے مطالبے پر عصاء اور ید بیضاء کا مظاہرہ کیا گیا۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ O وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ O

پس پیش کیا اپنے عصی کو تو فوراً ہی وہ ثعبان مبین ہو گیا اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ اہل نظر کے لئے سفید ہو گیا۔

ذرا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ عصاء کے لئے سورۃ طٰہ میں "حیۃ تسعی" اور النمل اور القصص میں "جآن" کے الفاظ موسیٰ کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔ یعنی جب اللہ نے مطالبہ کیا کہ عصاء کو پیش کرو تو موسیٰ عصاء کو پیش کرنے کے بعد خود ہی ڈر بھی گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ "**حیۃ تسعی**" اور "جآن" کے الفاظ موسیٰ کی ذہنی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے جب اسکو حقیقی معنوں میں دیکھا تو اس تصادم کی کیفیت سے خود ہی ڈر گئے جو آخر انجام کار ہونا ہی تھا۔

سورۃ النمل میں بھی جب عصاء کو پیش کیا تو اس کو لہراتا دیکھ کر مڑے اور ہرگز نہ پیچھے دیکھا۔ جس پر کہا گیا اے موسیٰ تو خوف نہ کر، ہمارے حضور رسول گھبرایا نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ۔

يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ O

کہا اے موسیٰ مت گھبر ایقینا میرے حضورٗ میرے رسول گھبرایا نہیں کرتے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب عصاء "جآن" کی کیفیت میں تبدیل ہوا تو موسیٰ اسے دیکھ کر گھبرائے لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے میرے حضور رسول گھبرایا نہیں کرتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ "جآن" کی کیفیت کو اللہ نے اپنے حضوری سے تعبیر کیا ہے؟

اصلاً یہ اس وقت کا بیان ہے جب اللہ اور اسکے رسول کے درمیان وحی کے نزول کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب رسول اپنے خالق سے پہلی وحی وصول کرتا ہے۔ اور اسی کیفیت سے ہر وہ شخص جو قرآن کے رموز کو پہلی بار سمجھتا ہے جس میں جوش و ولولہ اور تصادم نظر آتا ہے جسکی کیفیت "جآن" کی ہوتی ہے۔ لیکن اس سیرت کا دوسرا پہلو امن و سکون سے ہنستا بستا ایک خوشحال معاشرہ ہوتا ہے۔ جسکو قرآن نے "**حیہ تسعی**" حیات آفرینی سے تشبیہ دی ہے۔

آگ

سورۃ طہٰ میں یہ واقعہ آیت نمبر ۹ سے شروع ہوتا ہے جہاں فرمایا گیا۔

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى O إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى O

کیا تمہارے پاس موسیٰ کی خبر آئی جب اس نے ایک آگ کو دیکھا اور کہا ٹھہرو میں یقیناً ایک آگ سے انسیت محسوس کر رہا ہوں تا کہ تمہارے پاس اس آگ سے ایک شعلہ لاؤں یا اس آگ پر ہدایت پاؤں۔

غور کیجئے یہ کونسی آگ تھی؟ آگ سے انسیت محسوس کرنا عجیب سی بات ہے اور انسیت صرف موسیٰ نے ہی محسوس کیوں کی؟ آگ سے کبھی انسیت محسوس نہیں ہوتی، انسیت تو صرف انسان سے ہوتی ہے یا یہ کہ انسان کے دل میں کسی علم کی تڑپ ہو اور اس کو ویسی ہی کسی تعلیم سے سابقہ پڑ جائے تو وہ اس کے لئے انسیت محسوس کرے گا۔ دوسری بات اگر وہ آگ لکڑی یا کوئلے والی آگ تھی تو اپنے اہل کو پیچھے کیوں چھوڑ کر گئے؟ جتنی سردی موسیٰ کو لگ سکتی تھی اتنی ہی ان کے اہل کو بھی لگتی ہوگی۔ تیسری بات ایک شعلہ یا ایک انگارہ لانے کا کیا فائدہ؟ اگر تو دور گئے تھے تو وہ انگارہ کب تک جلتا رہتا چند لمحات میں ہی بجھ کر ختم ہو جاتا اور اگر آگ قریب تھی تو سب کے سب ساتھ جاسکتے تھے اور اہل کے لئے اتنی دور جانا کسی تھکان کا باعث نہ ہو سکتا۔

مندرجہ بالا آیات میں اس آگ کی کیفیت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس سے ہدایت مل سکتی تھی۔ آخر یہ کون سی آگ تھی جہاں سے ہدایت ملنی تھی اور جس کو صرف ایک نبی نے ہی دیکھا۔ باقی کسی نے اس آگ کو نہیں دیکھا۔ اور دیکھنے کی کیفیت مانوس ہونے کی تھی جس سے اپنے اہل کے لئے کوئی شعلہ لاسکتے تھے۔ جس کے لئے " قبس" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اردو میں بھی اقتباس کسی کتاب میں سے ایسی منتخب تحریر یا تلخیص کو کہتے ہیں جو پوری کتاب کا مفہوم

بیان کر دے۔ شعلہ بھی عربی کا لفظ ہے لیکن شعلہ کی بجائے " " قبس" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ اپنے اہل کے لئے اس نظریہ یا تعلیمات سے اقتباس حاصل کرنے گئے تھے جو ان کے اہل کے لئے آئندہ کے لئے ہدایت کا باعث بنتا یا یہ کہ بذات خود وہ ہدایت مل جاتی جس کی طلب میں وہ نکلے تھے۔

چند آیات کے بعد آیت نمبر 12 میں موسیٰ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو وحی الٰہی سے سرفراز کئے گئے اور ارشاد ہوا۔

إِنِّي أَنَا رَبُّكَ

یقینی طور پر میں ہی تیرا رب ہوں

یہ وہ آگ تھی جو ربوبیت عامہ سے مزین تعلیمات و نظریات پر مشتمل تھی۔ جہاں پہنچ کر کسی دوسری وادی میں سرگرداں رہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اس وادی کی آگ تھی جو انتہائی مقدس وادی تھی جہاں انبیاء کا چناؤ ہوتا ہے جس کے لئے کہا گیا۔

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى

اور ہم نے تم کو چن لیا ہے پس سنو جو تم کو وحی کیا جاتا ہے۔

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

یقینا میں ہی الہ ہوں اور میرے علاوہ کوئی الہ نہیں میری ہی فرمانبرداری اختیار کرو ورمیرے احکامات کے لئے صلاۃ قائم کرو۔

یہ وہ مقام ہے جہاں سے وحی کے نزول کا آغاز ہوتا ہے جہاں احکامات الٰہی ملنے شروع ہوتے ہیں جہاں سے عبدیت کی تعلیمات ملتی ہیں اور ان تعلیمات کے ذریعے ایک نظام کو قائم کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جس کی تڑپ موسیٰ کو اس مقام تک لے آئی اور یہی وہ وحی کی آگ تھی جس سے موسی پہلے مانوس تھے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ یہ کوئی زمینی

سفر نہیں تھا کہ ایک خاص جگہ پر ہی خالق کائنات انبیاء کو بلا کر بات کرتا ہے اور وہ وادی یا جگہ مقدس ہوتی ہے۔ یہ جگہ علم و عمل کی وہ بالیدگی ہے جہاں اللہ کے وہ بندے پہنچتے ہیں جو اخلاقیات کی معراج پر فائز ہوتے ہیں۔ یعنی یہ سفر انسان کے اس علمی اور فکری سفر کی انتہاء ہوتی ہے جہاں پہنچ کر اس کو وحی کی تعلیم سے نوازا جاتا ہے اور یہ وہ مقام یا وادی ہوتی ہے جو انتہائی مقدس ہوتی ہے۔

آیئے اسی حوالے سے سورۃ النمل کی آیات 7 -9 کا بھی مطالع کر لیں جہاں موسیٰ نے اپنے اہل سے وہی فرمایا۔

إِذْ قَالَ مُوسَى لأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ O فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ O يَا مُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ O

جب موسی نے اپنے اہل سے کہا میں نے ایک آگ سے انسیت محسوس کی ہے۔ میں یقیناً تمہارے لئے اس سے کوئی خبر لاؤنگا یا ایک " شہاب قبس" لاؤنگا تاکہ تم گرمی حاصل کر سکو۔ پس جب وہ اس کے پاس پہنچا تو پکارا گیا کہ وہ برکت دیا گیا جو اس آگ کے معاملے میں سرگرداں ہے اور وہ بھی جو اس ماحول میں ہے۔ تمام جدو جہد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام بستیوں کا رب ہے۔ اے موسیٰ یقیناً وہ میں ہی اللہ غالب حکمت والا ہوں۔

اسی حوالے سے سورۃ القصص کی آیات بھی دیکھ لیں۔ آیت نمبر 29 میں بڑے صاف الفاظ میں اس آگ کی وضاحت فرمادی ہے۔ ارشاد ہوا۔

فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا

پس موسی نے جب اپنے مقصود کو متعین کر لیا اور اپنے اہل کے ساتھ چلے تو طور کی جانب سے ایک آگ سے انسیت محسوس کی۔

طور کو ہمارے مفسرین نے ایک پہاڑ گردانا اور اسکی طرف ایک آگ کی انسیت کو آگ کے دیکھنے پر محمول کیا۔ حالانکہ طور کا مادہ "ط و ر" ہے جس سے لفظ اطوار بھی ہے اور بنیادی معنی طریقہ، ضابطہ کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 63 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اور جب ہم نے تمہارے اوپر الطور کو فوقیت دے کر تم کو بلندی پر پایا، اور ہم نے تم سے عہد لیا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے، اس کو مظبوطی سے پکڑے رہو، اور جو اس میں ہے، اسے یاد رکھو، تا کہ تم تقوی اختیار کرو۔

الطور وہ احکامات الہی ہیں جنکو بنی اسرائیل پر لازم قرار دیا گیا تھا اور رفعت کا باعث بنایا گیا تھا اور جس کے متعلق عہد لیا گیا تھا کہ قوت کے ساتھ اسے پکڑے رہو اور اسی کی یاد دھانی کراتے رہو۔ "الطور" احکامات الہی ہیں اور انکو ہی مظبوطی سے پکڑے رہنا ہے۔

لیکن اگر طور پہاڑ ہے تو اسکو قوت سے پکڑے رہنے سے کیا مراد اور پہاڑ کی کیا یاد دھانی کرائی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے انسان متقی بنے گا۔ جس طرح قرآن کو ضابطہ حیات کہا جاتا ہے اسی طرح "الطور" بنیادی طور پر اطوار یعنی طور طریقے ہیں جو زندگی گزارنے کے لئے خالق کائنات نے بذریعہ وحی بنی اسرائیل کو عطا کئے ہیں جن کے لئے کہا گیا کہ ان کو قوت سے پکڑو۔ اور یہی وہ احکامات الہی ہیں جن کی طرف موسی کو بلایا گیا تھا۔ یہی وہ آگ ہے جس کی تڑپ موسیٰ نے محسوس کی تھی یہی وہ ہدایت ہے جسے لینے کے لئے موسی ان تعلیمات کے منبہ و سرچشمہ کی طرف گئے تھے۔ قرآن نے اسی آگ کو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 17 میں انہی تعلیمات سے تعبیر کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لا يُبْصِرُونَ O صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لا يَرْجِعُونَ O

ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ روشن کی پس جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو قدرت نے ان کو نور سے عاری پایا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ اب وہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔

دیکھ لیجئے یہ کس آگ کی بات ہو رہی ہے۔ یقیناً یہ کسی ایندھن سے جلائی گئی آگ نہیں ہے ورنہ روشنی کی بجائے گرمی کا ذکر ہوتا۔ اور یہ آگ جب روشن ہوتی ہے تو منافقین کا نور غائب ہو جاتا ہے۔ اور اب ان کے پاس کوئی بصیرت نہیں رہتی۔ یہ بہرے گونگے اور اندھے ہو جاتے ہیں جن کی واپسی کی کوئی امید نہیں ہوتی۔

مــزید دلائل

موسی کا خوفزدہ ہونا اس کے باوجود کہ انکے پاس معجزاتی عصاء تھا جو سانپ یا اژدھے کی شکل اختیار کر سکتا تھا یا فرعون کے درباریوں کا ان معجزات کا مذاق اڑانا جن کو قرآن نے آیات مبین، بصائر اور برھان سے تعبیر کیا ہے یا ان لوگوں کا جنہیں یہودیت اور ہمارے اسلاف نے جادوگر بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ کہنا کہ ہمارے پاس بہت ساری آیات آئی ہیں باوجود اس بات کے کہ ان کے سامنے صرف ایک ہی معجزہ یعنی لاٹھی کا سانپ میں بدل جانا ہی پیش کیا گیا تھا۔ آیئے اس لحاظ سے سورۃ طہ کی آیات 43 سے 46 کا مطالع کرتے ہیں

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى O فَقُولا لَهُ قَوْلا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى O قَالا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى O قَالَ لا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَى O

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ پس اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔ دونوں نے کہا کہ ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرلے گا یا حد سے گزرے گا۔ پروردگار نے جواب دیا کہ مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں میں سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔ اسی طرح سورۃ الشعرا کی آیت نمبر 14 میں جب فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو موسی نے کہا۔

"وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

ان لوگوں کے لئے میرے خلاف ایک دعوی ہے پس مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔

ذرا چشم تصور سے سوچئے کہ ایسا عصاء جو انسانوں کو تو ایک طرف رکھئے تمام سانپوں کو کھا جاتا ہو جسے خالق نے خود موسیٰ کو عطا کیا ہو اور موسیٰ کے ہاتھ میں ہو کہ جب چاہا سانپ میں تبدیل کر لیا، پھر بھی خوف کھا رہے ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ آج کے دور میں بھی اگر کسی کے پاس سانپ کا بچہ بھی ہو تو لوگ دور دور بھاگ جاتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ موسی جب فرعون کے دربار میں معجزات کو لے کر پہنچے تو درباری ان معجزات کا مزاق اڑانے لگے۔ اگر کسی محفل میں کوئی چھوٹا سا سنپولیا بھی نظر آ جائے تو بڑے بڑے تیس مار خان کی سٹی گم ہو جاتی ہے۔ الزخرف کی آیات 46 اور 47 میں اس کا بیان ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ O فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ O

اور ہم نے موسی کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو موسی نے کہا میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ پس جب وہ ہماری آیات کے ساتھ ان کے پاس آیا تو وہ آیات کا مذاق اڑانے لگے۔

آپ خود سوچئے کہ سانپ یا اژدھے کا مذاق اڑانے کا ہوش کسے ہو گا؟ ایک خطرناک جانور کا مزاق اڑانے سے سانپ کو کیا فرق پڑے گا ؟ سانپ کا مزاق اڑانے والے کو کیا فائدہ ہو گا ؟ مذاق اڑایا جاتا ہے کسی انسان یا انسان کے پیش کردہ خیالات و نظریات کا۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے ان احکامات کا مذاق اڑایا جن کو موسیٰ نے پروردگار عالم کی تعلیمات اور احکامات کے طور پر پیش کیا تھا جن کو اسلاف نے معجزات کا نام دے کر ایک شعبدہ بنا دیا ہے۔

غور کیجئے اسلاف کے نزدیک تو صرف عصاء اور ید بیضاء ہی معجزات ہیں سورۃ الزخرف کی اگلی آیت میں ان دو آیات کے علاوہ ان سے بڑی آیت کا بھی ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمایئے

وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا

اور جو آیت بھی ہم دکھاتے تھے وہ اپنی بہن سے بڑی ہوتی تھی۔

یعنی عصاء اور ید بیضاء کی آیات دکھانے کے باوجود دوسری آیات جو ان کو دکھائی گئیں وہ عصاء اور ید بیضاء سے بڑی تھیں۔ اگر وہ معجزات عصاء اور ید بیضاء کے معجزات سے بڑے تھے تو وہ کیا تھے؟ ہمارے اسلاف مفسرین اور محدثین سب کے سب لا علم ہیں۔

یہی بات سورۃ طہ کی آیت نمبر 23 میں ارشاد ہوئی جہاں عصاء اور ید بیضاء کا پیش کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ پروردگار مزید آیات کا ظہور کرنا چاہتا تھا۔ عصاء اور ید بیضاء کے پیش کرنے کے بعد ارشاد باری تعالی ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى

تاکہ ہم تم کو انتہائی بڑی آیات دکھائیں

یہ آیات کون سی تھیں؟ جن کے مقابلے میں عصاء اور ید بیضاء جیسی آیات صغریٰ ہیں۔ سورۃ طہ کی آیت نمبر 56 میں بھی آیات یعنی جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب موسیٰ نے ان آیات کو فرعون کے سامنے پیش کیا۔

وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى

اور ہم نے فرعون کو اپنی سب آیات دکھائیں پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کرتا رہا۔

اور یہی آیات بینات ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کی گئیں جن کو جادوگر کہا جاتا ہے۔ سورۃ طہ کی آیت نمبر 72 میں اس وقت کی بات ہے جب موسی نے بھی ان لوگوں کے دلائل کو عصا کے ذریعے زیر کیا اور فرعون نے ان لوگوں کے لئے سزا کا اعلان کیا تو ان لوگوں نے فرعون کو جواب میں کہا۔

قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝

انہوں نے کہا کہ ہم تجھ کو نہ تو ان بینات پر ترجیح دینگے جو ہمارے پاس آئے ہیں اور نہ ہی اس پروردگار پر جس نے ہم کو پیدا کیا پس تو جو فیصلہ کرنا چاہے کرلے۔ تو صرف دنیاوی زندگی کا ہی فیصلہ کرتا ہے۔

یعنی آیات بینات معجزات نہیں تھے بلکہ احکامات الٰہی تھے وحی الٰہی کے وہ دلائل اور بصائر و برھان تھے جو موسیٰ کو ملے تھے جن کو علما وقت نے سمجھا اور پھر فرعون کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ انہی آیات کے لئے سورۃ الشعرا کی آیت نمبر 15 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ

تم دونوں ہماری آیات کے ساتھ جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور سننے والے ہیں

اس آیت میں پروردگار اپنے سننے کی بات کررہا ہے۔ اگر تو معجزات کی بات ہوتی تو سننے کی بجائے دیکھنے کی بات ہوتی۔ سننے کی بات ہو تو بحث مباحثہ اور قیل و قال کی بات ہوتی ہے۔ کسی کے خیالات و نظریات سنے جاتے ہیں اور اسکے جواب میں دلائل دیے جاتے ہیں۔